www.urducouncil.nic.in

اپریل 2022 ، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک عملہ	قارئین	05
مضامین		
بہت پڑھتا ہوں لیکن امتحان میں یاد نہیں آتا	خواجہ معین الدین شیخ	07
بچہ بیٹی : اسٹوہانا	مترجم : شاہنواز محمد خرم	10
نظمیں		
میرے بھارت کا آئین	محمد شفیع انصاری	12
کام کرنا ہی کامیابی ہے	سید نظیر سولاپوری	12
استاد کی محبت	مقبول احمد مقبول	13
حیاتی تالیف ([illegible])	ارشاد احمد ارشاد	14
نانی کے گھر	ارم نعیم	15
فضائی کاروان	نسیم سحر	16
اے بچو	کلیم رہبر	17
قلم کی پکار	حامد حسن	17
بچوں کے بڑے ادیب		
شفیع الدین نیر	ساجدہ خاتون	18
کہانیاں		
درخت اور آدمی	بانو سرتاج	21
کماچوری	محمد کلیم ضیا	23
اگلن میاں اور چاند	بانو آرکے	26
[illegible]	ترنم ناز	29
نگہبان	عبدالناصر	31
بھول	زیب النسا	33
خواب پرانے	یاور تمکین	36
ہمت مرداں مدد خدا	محمد علیم اللہ	38
ہمدردی	نصیر رمضان	41
رحمدلی کا انعام	سید مرتضیٰ احمد زاہدی	43
بہادر کی عقلمندی	ثنا اسعد	46
انٹرویو		
ڈاکٹر حلیمہ فردوس	غضنفر اقبال	48
بچوں کا کتب خانہ		
خلائی سفر اور دوسری کہانیاں	ثاقب اقبال	52
سائنس نامہ		
انسانی ترقی کی رفتار اور ماحولیات	مشیت اللہ صدیقی اسعدی	54
صحت اطفال		
خوراک میں غذائیت کیسے آتی ہے؟	خواجہ کوثر حیات	56
زبان شناسی		
صحیح املا		58
کہکشاں		
چمن چمن کے پھول		60
ذہین فنکار		
پینٹنگ		61

بچوں کی دنیا

جلد: 10 شمارہ: 04 اپریل 2022

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم : شاہنواز محمد خرم

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:11-49539009

ای میل

bachonkidunya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپیہ سالانہ: /100 روپیہ

* اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages:64

بچوں کی دنیا کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے درج ذیل سے رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون:26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تیسری منزل، ساجد وریگل کمپلکس بلاک نمبر 5-1، چھتہ بازار، حیدرآباد-500002

فون: 040-24416194

پیارے بچو!

آپ اس بات سے واقف ہوں گے کہ اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے دو طریقے زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ ایک تقریر اور دوسرا تحریر۔ تقریر کا تعلق بولنے سے اور تحریر کا تعلق لکھنے سے ہوتا ہے۔ جو لوگ اچھی تقریر کرنا اور اچھی تحریر لکھنا جانتے ہیں وہ اپنی بات کو سلیقے سے لوگوں تک پہنچانے میں کامیاب رہتے ہیں۔ گزشتہ زمانوں میں جب لکھنے کا رواج بہت کم تھا تو لوگ تقریر کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے۔ جگہ جگہ ایسی مجلسیں منعقد کی جاتی تھیں جن میں مقررین کو بلایا جاتا، ان کی عزت کی جاتی اور ان کی تقریروں کو شوق سے سنا جاتا تھا۔ تقریر کی اہمیت اگرچہ اب بھی اپنی جگہ موجود ہے لیکن موجودہ زمانے میں تحریر کو زیادہ مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ بہت سی کتابیں لکھی جا رہی ہیں، رسائل نکل رہے ہیں اور اخبارات چھپ رہے ہیں۔ پرنٹ میڈیا کے علاوہ الیکٹرانک میڈیا میں بھی تحریر کی بہت ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

بچپن کا زمانہ ہر چیز کو سیکھنے کے لیے بہت خاص ہوتا ہے۔ چودہ سے اٹھارہ سال کے بچے تقریر و تحریر کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تقریری اور تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کر سکتے ہیں۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ جتنے بڑے ادیب، مصنف، افسانہ نگار اور تخلیق کار گزرے ہیں، ان میں سے زیادہ تر نے اپنی تقریری اور تحریری صلاحیتوں کو بچپن کی عمر میں ہی پروان چڑھایا تھا۔ وقت کے ساتھ ان میں مزید نکھار پیدا ہوتا چلا گیا۔ اس لیے بچوں کو چاہیے کہ وہ اس طرف دھیان دیں۔ اپنے اندر تقریری صلاحیت بھی پیدا کریں اور تحریری صلاحیت کو بھی پروان چڑھائیں۔ یہ دونوں چیزیں قدم قدم پر ان کے کام آئیں گی۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ بعض لوگوں کا ذہن تقریر کی طرف زیادہ چلتا ہے اور بعض کا تحریر کی طرف۔ بچوں کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کی دلچسپی کس چیز میں زیادہ ہے۔ اگر وہ تقریر میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور اس طرف ان کا ذہن چلتا ہے تو اپنی اس صلاحیت کو پروان چڑھائیں اور اگر ان کا ذہن تحریر کی طرف زیادہ چلتا ہے تو انھیں لکھنے پر توجہ دینی چاہیے۔ اگر کسی طالب علم کا ذہن دونوں چیزوں کو قبول کرتا ہے تو اسے دونوں کی مشق کرنی چاہیے۔ اساتذہ کو بھی اس طرف دھیان دینا چاہیے کہ کن کن طلبا میں تقریر یا تحریر کی صلاحیت ہے۔ ان کی صلاحیتوں کے مطابق وہ ان کی رہنمائی ضرور کریں۔

جو طلبا لکھنے کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ شروع میں چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھیں۔ اس سے ان کی تخلیقی صلاحیت میں اضافہ ہوگا اور انھیں لکھنے کا طریقہ بھی آ جائے گا۔ کہانی لکھنے کے لیے کہانی پڑھنا ضروری ہے۔ اس لیے کہانیاں لکھنے سے پہلے بہت سی کہانیاں پڑھ لینی چاہئیں۔ ایسے بچوں کو بچوں کے لیے لکھی جانے والی کہانیوں کی ایک دو کتابیں اپنے مطالعے میں رکھنی چاہئیں۔ ایک دو رسالے بھی جاری کروائے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اساتذہ سے بھی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس عمر میں چھوٹے چھوٹے مضامین بھی آسان زبان میں لکھے جا سکتے ہیں۔ مضامین یا کہانیاں لکھ کر اپنے اساتذہ یا والدین کو دکھانا بہت ضروری ہے تاکہ وہ اس میں اصلاح کر سکیں اور مفید مشورے دے سکیں۔ اس کے بعد ان کہانیوں یا مضامین کو رسائل میں چھپنے کے لیے بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ ہمارے ملک میں مختلف علاقوں سے بچوں کے رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ وہ بچوں کی تخلیقات کو اہتمام سے شائع کرتے ہیں۔ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بھی بچوں کی تخلیقات شائع کی جاتی ہیں۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

'بچوں کی دنیا' فروری 2022 کا شمارہ مل گیا۔ 64 پنکھڑیوں کا یہ شاداب گل نار جس پر حسین رنگین تتلی واری جارہی ہے۔ اپنے اندر بہاروں کا مجموعہ سمیٹے ہوئے ہے۔ مالیگاؤں کتاب میلے کی دیدہ زیب جھلکیوں سے تو یہ حسین ترین ہوگیا ہے۔ ان تمام خوشبوؤں کو آپ اپنی مادری زبان میں اپنے دوستوں کے پھولوں سے جھرمٹ میں اچھے سے بیان کرسکتے ہیں۔ آپ کے اس محبوب پرچے میں بھارت اور اس سے متعلق قومی ترانہ، تاریخی عمارتیں، ہنسی مذاق کی باتیں، سائنسی آلات، جنگل منگل، گھر باہر سب کچھ شامل ہیں۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کردیا گیا ہو۔ اس شمارے میں آپ بھارت کا قومی ترانہ، روبوٹ میاں، مثالی دوستی، لالچی کوے کا انجام، لال چھتری، ہندوستان اسٹیل لمیٹڈ، وٹامن سمیت تمام نظمیں ضرور پڑھیں۔ آپ کو ضرور پسند آئیں گی اور ان باتوں سے سبق لے کر آپ اپنی زندگی سنوار سکتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا؟

مصطفیٰ ندیم خان غوری، پی 11، گرین ویلی سوسائٹی، باغ علی نگر، آباد، مہاراشٹر

فروری 2022 کا شمارہ موصول ہوا۔ شمارہ بہت دلچسپ ہے۔ اس کے تمام مضامین اچھے لگے، کہانیاں اور نظمیں بھی بہت عمدہ ہیں۔ خواجہ عبدالمنتقم کا مضمون 'بھارت کا قومی ترانہ اور اس کی اہمیت' دستاریخی پس منظر، بطلہ تسنیم کا 'عبدالکریم کا جنگل' اور سید نوشاد بیگم محمود کا مضمون 'اپنے بوجھ نیچے اتار دو' وغیرہ بہت ہی عمدہ مضامین ہیں۔ اس شمارے کا سب سے دلچسپ حصہ کالم تاریخ و تہذیب کے تحت دلاوری قریشی کی 'قلعہ دولت آباد' کے بارے میں لکھی گئی تاریخ خاصی دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ نظموں میں اے میرے ہندوستان، اسے واہ زندہ باد علم کی دولت سب پر بھاری، بصورت انسان ملتے ہیں، وغیرہ کافی دلچسپ نظمیں ہیں۔ منوچوبی منو کے ذریعہ لکھا گیا ڈرامہ 'جنگل میں اسکول نہیں' کا رضوان مصطفیٰ کے ذریعہ کیا گیا ترجمہ کافی عمدہ ہے۔

کالم بچوں کے بڑے ادیب کے تحت خان رضوان کے ذریعہ عطا عابدی پر لکھا گیا مضمون 'عطا عابدی ادب اطفال کا باقاعدہ تخلیق کار' بھی مجھے کافی اچھا لگا۔ یہ بھی عطا عابدی کے متعلق کافی معلوماتی ہے۔ کہانیوں میں اشتہار اور روم پیٹر، مثالی دوستی، میں آزاد ہوں، کہانی جنگل کی، لالچی کوے کا انجام کے علاوہ 'لال چھتری' بھی کافی دلچسپ کہانیاں ہیں۔

کالم سائنس نامہ میں انیس الحسن صدیقی کا 'خطرناک خرد سیارہ۔ ڈائنا سورس' بھی مجھے پڑھنے میں کافی لطف آیا۔ ان سبھوں کے علاوہ ہندوستان اسٹیل لمیٹڈ کی تشکیل نو، اور 'وٹامن' بھی پڑھنے میں اچھے لگے۔

میں دعا کرتی ہوں کہ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ہم بچوں کے لیے اسی طرح دلچسپ، معلوماتی اور ترغیبی چیزیں لے کر ہر ماہ منظر عام پر آتا رہے۔ آمین۔

ادیبہ حیات شفاء وجیہہ تبسم، دوگھرا، جالے، دربھنگہ، بہار

'بچوں کی دنیا' کا تازہ دسمبر کے شمارے کا سرورق کتابوں کی اہمیت عیاں کررہا ہے۔ صفحہ اول پر ہی جناب ڈاکٹر

شیخ عقیل احمد صاحب نے کتاب دوستی کا خوب تعارف کروایا اور مطالعہ کی اہمیت بھی بڑے خوب صورت انداز میں سمجھائی۔

آگے ادب دوستوں کے پیارے خطوط ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچ میں بچوں کی دنیا بچے ہی نہیں، بڑے بھی بہت توجہ اور محبت سے پڑھتے ہیں۔

'خواب۔ خوشبو اور کتاب' میں تو جیسے عالی جناب حقانی القاسمی صاحب نے ایک گلدستے کی شکل میں کتابوں کی ایسی افادیت بتلائی کہ ہر ماہ ایک کتاب پڑھنے کا عزم ہر بچے نے کرلیا۔ ساتھ ہی خوب کہا کہ "کتابوں کے ان حرفوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ خاک کو خورشید بنا سکتی ہے۔" کتاب سے بچوں کا رشتہ کیسا ہو جناب یوسف رامپوری صاحب نے اپنے مضمون میں بتایا اور کیسی کتابیں پڑھنی چاہئیں اس کی بھی رہنمائی کی۔

ہر سال حکومت اردو کونسل کے ذریعے بچوں کے لیے رسائل کے علاوہ معیاری کتابیں شائع کرتی ہے جن کا جناب نوشاد منظر نے تفصیلی تعارف پیش کیا۔

اس شمارے میں پیاری نظمیں 'مسٹر چیونگم'، 'اہل علم کی عزت علم کی بدولت ہے'، 'پاس ہمارے نہ آئے کورونا'، 'بھارت کی تحریک ہے تم سے'، 'والدین'، 'زبان' پڑھنے کا مزہ دوبالا کررہی ہیں۔ 'بچپن کی کہانیاں'، 'گلستان اور بوستان کا تعارف'، 'سرفروشی'، 'غصے کی زنجیر' اور بہت سی کہانیاں بچوں کو اچھے اور مفید درس دے رہی ہیں۔ ان دروس کو اگر سمجھا جائے تو یہ بہترین زادِ راہ ثابت ہوں گے۔ جناب غضنفر اقبال صاحب نے اپنے سوالات سے بچوں کے ادیب منظور وقار صاحب کی بہترین خوبیوں کو روبرو کرایا۔ کل ملا کر اس شمارے میں بچوں کے لیے بہت کچھ لطف اندوزی اور سیکھنے سکھانے کے لیے مواد ہے جو رنگ برنگی، پرکشش تصاویر کے ذریعہ قاری کو بامعنی بناتا ہے۔

ہر ماہ بچے اگر پورا شمارہ توجہ اور دلچسپی سے پڑھیں تو یقیناً ان کے نہ صرف علم میں اضافہ ہوگا بلکہ وہ دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے تیار ہوں گے۔ کتاب میرا بہترین ساتھی ہیں ہر ماہ زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھنے کی کوشش کروں گا گا یہ عزم ہر بچے کا ہوگا۔

خواجہ کوثر حیات، اورنگ آباد (دکن) مہاراشٹر

خواجہ معین الدین شیخ

بہت پڑھتا ہوں لیکن امتحان میں یاد نہیں آتا

ریحان خاموش اور اداس کھڑا تھا۔ معاذ نے اپنے دوست سے پوچھا۔ کافی اداس اور خاموش کھڑے ہو۔ کیا بات ہے؟

ریحان: کل ہمارے اسکول میں سائنس کا امتحان ہوا لیکن مجھے بہت کم نمبر حاصل ہوئے۔ کیا کروں، میں بہت پڑھائی کرتا ہوں، دن رات ایک کرتا ہوں لیکن امتحان کے دوران مجھے کچھ بھی یاد نہیں آتا!

معاذ: مجھے تو اس امتحان میں کافی اچھے نمبر حاصل ہوئے۔

ریحان: کیسے؟ تم تو اتنی زیادہ پڑھائی بھی نہیں کرتے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے؟

معاذ: میں کم وقت پڑھائی کرتا ہوں لیکن سائنسی طریقے سے درست طریقے سے پڑھائی کے عمل میں شامل رہتا ہوں۔ میرے اپنے نوٹس ہیں، میرے اپنے سوالات ہیں ان سوالات کے جوابات کے لیے میں پڑھائی کرتا ہوں۔

ریحان: برائے مہربانی اپنا پڑھائی کا طریقہ مجھے بھی بتاؤ کہ میں بھی اس طرح پڑھائی سے لطف اندوز ہو سکوں۔

پیارے بچو! آپ کو بھی یہی سوال پریشان کرتا ہوگا۔ آپ امتحان کے لیے بہت پڑھائی کرتے ہیں لیکن جب آپ پرچہ لکھتے ہیں، یا کسی موقع پر پڑھا ہوا یاد کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو یاد نہیں آتا۔ ایسا کیوں ہوتا؟ کیا ہمارا دماغ پڑھے گئے مواد کو یاد نہیں رکھ سکتا؟ ہمیں کسی خاص موقع پر پڑھا ہوا مواد یاد کیوں نہیں آتا؟ کہیں ہمارا پڑھائی کرنے کا طریقہ غلط تو نہیں ہے؟ کس طرح پڑھا جائے؟ ان سارے سوالات کے جوابات یہاں موجود ہیں۔

امتحان سر پر ہے۔ نصابی کتابوں کا پڑھنا، اہم باتیں ذہن نشین کرنا ہمارے لیے ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ امتحان میں سوالات کو ہم سمجھ سکیں اور انھیں حل کر سکیں۔ نصابی کتابوں کو پڑھنا کہانیوں، ناول افسانے وغیرہ پڑھنے سے مختلف ہے۔ جب آپ کوئی کہانی پڑھتے ہیں تو آپ اس کے کردار اور اس کی تفہیم میں کھو جاتے ہیں یہاں آپ کو مواد یاد کرنا یا لفظ لفظ ذہن نشین کرنا ضروری نہیں ہوتا لیکن نصابی کتابوں کے لفظ لفظ کو سمجھنا اور ذہن نشین کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے لیے ہمارا پڑھائی کرنے کا طریقہ نہایت منظم اور درست ہونا ضروری ہے۔ آج ہم ایسے ہی ایک طریقے کو سمجھیں گے۔ اس طرح پڑھائی کرنے پر ہمارے ذہن میں مواد مستقل یادداشت کا حصہ بن جاتا ہے۔ تو پھر کس طرح پڑھیں؟ اس کے لیے ان مراحل کو اپنانا ضروری ہے۔

جائزہ Survey: کسی بھی درسی یا نصابی کتاب کا کوئی حصہ یا سبق آپ پڑھنا شروع کریں تو ابتدائی طور پر اس کا جائزہ لیں۔ اس کے اہم نکات، ضمنی نکات اور سرخیوں کو پڑھیں۔ اس میں اگر شکلیں، نقشے، جدول، تراجم یا دیگر معلومات ہوں تو ان کا بھی سرسری جائزہ لیں۔ شروعات میں اس طرح کا جائزہ پڑھنے کی تیاری ہے۔ اس سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس سبق میں ہم کیا پڑھنے والے ہیں؟ ہمیں کون کون سی نئی معلومات ملنے والی ہیں؟ اس سے آپ کو اس سبق سے دلچسپی پیدا ہوگی اور مطالعے کا اشتیاق پیدا ہوگا۔

سوال Question: یہ پڑھائی کا دوسرا مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں آپ اپنے لیے سوال تیار کریں۔ مثال کے طور پر سائنس کی نصابی کتاب سے آپ حیوانات کی جماعت بندی کے بارے میں پڑھنے والے ہیں۔ آپ نے اس سبق کا جائزہ لے لیا ہے۔ اب آپ اس طرح کے سوال اپنے لیے تیار کر سکتے ہیں کہ حیوانات کی جماعت بندی کس بنیاد پر کی گئی ہے؟ جماعت بندی یعنی کیا؟ جماعت بندی کی ضرورت کیوں ہے؟ اس طرح سوال تیار کریں اور لکھ بھی لیں۔ تاکہ جب آپ پڑھیں گے آپ کا ذہن ان سوالات کے جوابات تلاش کرتا رہے گا اور درسی مواد کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

پڑھنا Read : اب آپ کا اصل پڑھنا شروع ہوا۔ اب درسی مواد کو لفظ بہ لفظ پڑھیں۔ پڑھتے وقت اپنے ساتھ قلم رکھیں اور اہم نکات کو خط کشیدہ کرتے چلیں۔ نئے الفاظ، تصورات، تعریفیں انھیں اپنی بیاض میں لکھیں۔ اگر کسی واقعے کا ذکر ہو تو اس کو بھی درج کریں، مواد میں درج تواریخ، مقامات، نام وغیرہ بھی اپنی بیاض میں لکھتے چلیں۔ پڑھنے کے دوران اس طرح مواد کا تجزیہ کرنے سے معلومات ہماری مستقل یادداشت کا حصہ بنتی ہیں۔ مثالیں تیار کریں۔ آپ کے تیار کردہ سوالات کے جوابات کے حصول کے لیے پڑھیں۔ صرف معلومات حاصل کرنے کے لیے نا پڑھیں بلکہ تفہیم کے لیے پڑھائی کریں۔ اگر کوئی نکتہ سمجھ میں نہیں آرہا ہو تو کچھ دیر رک کر اس پر غور کریں اور ضروری مدد حاصل کریں۔

از سر نو تفہیم Review : اس مرحلے میں درسی مواد کا جتنا بھی حصہ آپ نے پڑھا ہے اس کا از سر نو تفہیم کریں یعنی اس کا دوبارہ جائزہ لیں۔ اہم الفاظ، نئے الفاظ، اہم نام، مقامات، تواریخ، واقعات کی ابتدا اور اختتام اور جو سوالات آپ کے ذہن میں آئے تھے ان کے جوابات آپ کو حاصل ہوئے یا نہیں اس پر بھی غور کرلیں۔ اس مرحلے میں سبق کے مقاصد حاصل ہوئے یا نہیں اس بات کا اندازہ بھی قائم کرلیں۔ اس طرح سارے مواد کا دوبارہ جائزہ لیں۔ اس مرحلے میں آپ کو زیادہ وقت نہیں لگے گا کیونکہ آپ نے اس سے پہلے کے مرحلے میں لفظ بہ لفظ درسی مواد کو پڑھا ہے، از سر نو تفہیم کے مرحلے میں ساری باتیں آپ کے ذہن کے پردے پر خود بخود مصوّر ہوتی جائیں گی۔ اور مواد آسان لگے گا۔

یاد آوری Recall: اس مرحلے میں آپ اپنے سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ جوابات اپنے الفاظ میں لکھیں۔ یہاں آپ سیکھے گئے، پڑھے گئے مواد کا خلاصہ بھی تیار کر سکتے ہیں۔ اہم نکات، یا سیکھے گئے مواد پر ایک نوٹ تیار کریں۔ سیکھی گئی معلومات کا مختصر خاکہ تیار کریں۔ اس مرحلے میں اس بات کا خاص خیال کریں کہ درسی کتاب سے جوں کا توں مواد نقل نہ کریں بلکہ اپنی سمجھ سے لکھیں۔ کہ آپ نے کیا سمجھا۔

انعکاس Reflect : پڑھے گئے مواد سے آپ نے کیا سیکھا اس کو ظاہر کرنے کے لیے اس معلومات کا استعمال کریں۔ اپنے کسی ساتھی، ہم جماعت یا دوست سے اس مواد پر بات کریں۔ اگر آپ کے دوست نے اسے نہیں سیکھا ہے تو اسے یہ درسی مواد سمجھا دیں۔ اس مواد پر کوئی مضمون لکھیں، پیراگراف تحریر کریں، آڈیو تیار کریں، ویڈیو بنائیں بہرحال اس مواد کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔

اس طرح درسی مواد اور نصابی کتاب کی پڑھائی ان مراحل میں کرنا ضروری ہے۔ پھر دیکھیں کہ آپ کو آپ کے امتحان کے پرچے نہایت آسان لگیں گے۔ پرچے کے سوالات پر نظر پڑتے ہی اس سے متعلق معلومات آپ کے ذہن کے پردے پر مصوّر ہونے لگے گی۔ آپ سوالات کے جوابات روانی سے تحریر کر پائیں گے اور آپ کی یہ شکایت دور ہو جاؤ گے کہ پڑھتا تو بہت ہوں لیکن امتحان میں کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ اس طرح کی پڑھائی کرنے سے پڑھائی کے اوقات میں بھی ضرور اضافہ ہوگا۔ پڑھائی کے عمل میں آپ شامل رہیں گے، غور و خوض کی عادت بڑھے گی، تجزیہ کرنا اور مواد کی اجمالی تفصیل تیار کرنے کی عادت فروغ پائے گی۔ ایک مرتبہ اس طرح ضرور پڑھیں اور اپنے تجربات بیان کریں۔

■

Khaja Moinuddin Shaikh
Green Vally Housing Society
Roza Bagh
Aurangabad - 431001 (MS)

مترجم: شاہنواز محمد خرم

سختہ بنانا

پیپر میشی میں سب سے اہم چیز کاغذ کا سختہ ہے۔ کاغذ کا سختہ بنانا کشمیر میں سختہ سازی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ پیپر میشی میں کشمیر ہندوستان کی علم بردار ریاست ہے۔ اگرچہ، پیپر میشی بنانے کے مختلف طریقے ہیں، جو پیشہ ورانہ اور شوقیہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

سختہ بنانے کا سب سے آسان عمل یہ ہے کہ پانی میں ری سائیکل شدہ کاغذ کی ٹکڑیاں ڈالیں اور انھیں ایک سے چار دن تک بھگو دیں۔ بھیگی ہوئی اور نرم کاغذ کی پٹیوں کو پھر لکڑی کے ایک موسل اور کھرل کی مدد سے سختہ بنا دیا جاتا ہے۔ پھر جزوی طور پر خشک ہونے کے لیے سختہ کو دھوپ میں ہی رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد گانٹھوں کو دور کرنے کے لیے سختہ ہاتھ سے چھان لیا جاتا ہے۔ سختہ چاول کے آٹے سے بنی گوند کے ساتھ ملایا جاتا ہے جسے کشمیر میں مالمو کہا جاتا ہے۔ یہ سختہ کو ہموار پیسٹ میں بدل دیتا ہے۔ پھر مٹی یا لکڑی یا دھات سے بنا ہوا سانچے کو پیپر میشی شے بنانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ سانچے کو نیم خشک کے ساتھ محیط کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سختہ کو سانچے سے الگ کیا جاتا ہے اور اسے مکمل طور پر خشک ہونے دیا جاتا ہے۔ اب پیپر میشی کی بنیادی شکل اس کی سطح ہموار کرنے کے بعد ڈیزائن بنانے اور رنگنے کے لیے تیار ہے۔

سختہ بنانے کا مرحلہ وار طریقہ

(1)

ری سائیکل ہونے والے کاغذ کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں پھاڑ دیں اور انھیں رات بھر ایک ٹب میں بھگو دیں۔

(2)

بھیگی ہوئی کاغذ کو ایک کھرل میں ڈال دیں اور لکڑی کے ایک موسل کو اس کو کوٹنے کے لیے استعمال کریں، جب تک کہ یہ مکمل گودے کی شکل نہ اختیار کرلے۔

(3)

گودے کو خشک ہونے تک باہر چھوڑ دیں۔

(4)

خشک گودے کو ہاتھوں سے چھان لیں تاکہ کسی بھی طرح کی گانٹھ دور ہوجائے

(5)

برتن میں پانی ابالیں، چاول کے آٹے کو ابلتے ہوئے پانی میں شامل کریں اور اس وقت تک ہلائیں جب تک کہ مرکب ہموار، قدرے چپچپا اور ہلکا گاڑھا ہوجائے۔

(6)

چاول کے گوند کو گودے کے ساتھ ملائیں۔ اس گودے کو مستقل مزاجی سے گوندھیں جو زیادہ نرم یا زیادہ سخت نہ ہو۔

اس گودے کو اب اس پیپر میشی اشیا بنانے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

■

ماخذ: دستکاری: پیپر میشی ورک بک، مترجم: شاہنواز محمد خرم، سنہ اشاعت: 2021، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

میرے بھارت کا آئین

سب سے اچھا سب سے پیارا میرے بھارت کا آئین
سب کا ساتھی سب کا سہارا میرے بھارت کا آئین

ہیں کا مرکز، ہیں کا محور بھارت کے بیدار عوام
ان کا منصب سب سے اونچا، سب سے پہلے ان کا نام

ہر مذہب کے ماننے والوں کو ہے اس میں آسانی
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی پہلے ہیں ہندوستانی

ملک ہمارا جمہوری ہے، ہیں کا پرچم سہ رنگی
کثرت میں وحدت ہے یعنی لوگوں میں ہم آہنگی

جمہوری ملکوں میں جو کہلاتے ہیں خدمت گار
لوگوں کی ہی من مرضی سے اس میں بنتی ہے سرکار

خود مختاری کی دولت ہر اک کو ایسے حاصل ہے
آزادی کی برکت میں وہ ساتھ میں سب کے شامل ہے

اپنے مذہب، اپنے خیال اور اپنی رائے کی آزادی
سب کو حاصل ہیں بالآخر یہ سارے حق بنیادی

اپنی اس خوش بختی کا فیضان وطن میں عام کریں
آؤ مل کر بھارت دیس کا دنیا بھر میں نام کریں

■

Mohd Rafee Abdul Khaliq Ansari
Al-Madni, 734, Bhusar Mohallah
Bhiwandi - 421302
Dt. Thane (Maharashtra)

کام کرنا ہی کامیابی ہے

فرض اپنا ہمیشہ ادا کیجیے
روز درسی کتابیں پڑھا کیجیے
روکتا ہے موبائل تمہیں فرض سے
ہوسکے دور جتنا رہا کیجیے
جتنا گھر ہی میں نہ ہوتا کبھی
سامنے اپنا مقصد رکھا کیجیے
"کام کرنے میں ہے کامیابی" سنو
کام اپنا مکمل کیا کیجیے
کرکے حاصل مہارت مضامین پر
اپنے رتبے کو بھی بڑا کیجیے
کوئی مشکل لگے گر سبق آپ کو
اپنے ٹیچر سے جا کر ملا کیجیے
اعلیٰ درجے کا بچہ رسالہ ہے جو
آپ 'بچوں کی دنیا' پڑھا کیجیے
خواب بچوں کے سارے حقیقت بنیں
اے بشیر ان کے حق میں دعا کیجیے

■

Syed Bashir Ahmed Bashir
Darus- Salam Residency, 7th Floor
708, Near Pangal Urdu High School
Siddheshwar Peth
Solapur - 413001 (Maharashtra)
Mob.: 9325008277

مقبول احمد مقبول

استاد کی محبت

تم کچھ نہ پاسکو گے، ہے طے شدہ حقیقت　　جب تک نہ ہوگی تم کو، استاد سے محبت
ہر ذی شعور انساں، جانے ہے یہ حقیقت　　استاد کا ادب بھی، ہوتی ہے اک عبادت
دل میں بسائے رکھو ،استاد کی محبت

لکھنا سکھایا تم کو، پڑھنا سکھایا تم کو　　آگے ہی آگے ہر دم، بڑھنا سکھایا تم کو
یعنی بلندیوں پر، چڑھنا سکھایا تم کو　　ہرگز نہ عار سمجھو، کرنے کو اس کی خدمت
دل میں بسائے رکھو، استاد کی محبت

کتنی ہی کوششوں سے، کی تربیت تمھاری　　تم کو سدھارنے میں، کی ختم عمر ساری
اس کے طفیل تم میں، آئی ہے ہوشیاری　　اس کے کرم کی تم سے، ہوگی ادا نہ قیمت
دل میں بسائے رکھو، استاد کی محبت

ڈانٹے اگر کبھی تو، ناراض تم نہ ہونا　　مارے اگر کبھی تو،زنہار تم نہ رونا
یہ ہیں فضول باتیں، اس میں نہ وقت کھونا　　استاد کی ڈپٹ بھی، ہے اک طرح کی شفقت
دل میں بسائے رکھو، استاد کی محبت

ماں باپ کا ادب بھی، تم نے اسی سے سیکھا　　بھائی بہن کا رتبہ، تم نے اسی سے جانا
اب اور کیا بتاؤں، سیکھا ہے تم نے کیا کیا　　نیکی ہمیشہ جانو، پانے کو اس کی قربت
دل میں بسائے رکھو، استاد کی محبت

معلوم خیر وشر بھی، استاد ہی سے ہوگا　　ہر کوئی با ہنر بھی، استاد ہی سے ہوگا
دنیا سے باخبر بھی، استاد ہی سے ہوگا　　پہچانو پیارے بچو! استاد کی حقیقت
دل میں بسائے رکھو ،استاد کی محبت

■

Dr.Maqbool Ahmed Maqbool
Professor Dept. of Urdu,
Maharashtra Udayagiri College,
UDGIR-413517,Dist Latur (M.S)
Mob:9028598414

ارشاد احمد ارشاد

ضیائی تالیف (فوٹو سینتھیسیز)

قدرت خدا کی دیکھیے کیسا نظام ہے
کھانے کا ان درختوں کا یہ انتظام ہے

ہوتا ہے ان میں دیکھیے اک کیمیائی کام
سائنس میں ہے فوٹو سینتھیسز عمل کا نام

پودوں کا دنیا میں یہ انوکھا جو کام ہے
اس کا ضیائی تالیف اردو میں نام ہے

قدرت کے کارخانے کا کیا انتظام ہے
فطرت کے اس عمل کا انوکھا نظام ہے

رکتا نہیں ہے آنکھ سے جاری ہے یہ عمل
قدرت کے اس نظام کا کوئی نہیں بدل

قدرت نے اس میں رکھا ہے جو یہ کلوروفل
ہوتا ہے اس سے پودوں میں ہی سارا یہ عمل

سورج کی روشنی جو یہ سب پودے پاتے ہیں
اس سے یہ پل کے دیکھیے کھانا بناتے ہیں

ہوتا ہے اتنی تیزی سے بچو ! یہی عمل
دنیا میں اس سے تیز ہو شاید کوئی عمل

کرتا ہے کام سالمہ ہر اک کلوروفل
چلتا ہے بار بار ہی بس اک یہی عمل

بنتی ہے آکسیجن اسی ایک کام سے
دنیا بھی زندہ ہے تو اسی اک نظام سے

ہم کاربن بناتے ہیں سارے جہان میں
اور اس کو صاف کرتے ہیں پودے جہان میں

ملتی ہے آکسیجن اسی اک نظام سے
بڑھتی ہے زندگی یہاں پودوں کے کام سے

■

Irshad Ahmad Irshad
Makan No.: 1206, Gali No: 39/4
Jafarabad
Delhi - 110053
Mob.: 7011543360

ارم نسیم

نانی کے گھر

بیت گیا سردی کا موسم
اور دے دی گرمی نے دستک
پورے ہو گئے پرچے سب کے
جلد نتیجے آئیں گے اس کے
بچوں کی خوشیوں کا اب تو
نہیں ٹھکانہ رہے گا کوئی
کیونکہ اب مل چکی سبھی کو
گرمی کی تعطیل یہاں پہ
پھر ہو خوشیوں کی سوغات

دن ہو یا کہ اب ہو رات
نانی کے گھر جانا سب کو
جہاں پہ ہوگی موج و مستی
کوئی نہ روکے کوئی نہ ٹوکے
نانی اماں کے سائے میں
میٹھا ہو نمکین یا تیکھا
من کے سب بنتے پکوان
رات کو نانا جی جب آتے
لسی اور آئس کریم دلاتے
صبح سیر کو لے کر جاتے
لوٹ کے ہم جب گھر کو آتے

دودھ جلیبی ساتھ میں لاتے
دن کو کھیت سے نانا جی کے
آتے رسیلے میٹھے آم
دن بھر کھیلا کودا کرتے
رات کو جب سونے جاتے ہم
تاروں بھرے اس آنگن میں
نانی ماں ہم سب بچوں کو
پہلے کیسر دودھ پلاتی
جب ہم سب فارغ ہو جاتے
میری پیاری اچھی نانی
میٹھے میٹھے بول میں ہم کو
نئی کہانی روز سناتی
پریوں اور راجاؤں کے قصے
کن لفظوں سے ہمیں سناتی
جب گرمی کی چھٹی آتی
بس نانی کی یاد ستاتی

■

Iram Naim
Research Scholar, Dept of Urdu
Allahabad University
Prayagraj- 211002

فضائی کاروان

اٹھو بچو لگائیں ایک لمبی جست
اونچی جست، سوئے آسماں
کریں کوشش یہی ہم سب
نہ ٹھہرے یہ فضائی کارواں،

نگاہیں چاند تاروں سے ملائیں
انھیں کے ساتھ چمکیں، جھلملائیں

چھلانگیں آسمانوں میں لگائیں
خوشی سے اچھلیں کودیں گیت گائیں

ہواؤں کو بنایا اپنا مرکب...
ہے ڈر کیا چیز، یکسر بھول جائیں

تلاطم بادلوں سے ہوں تلاطم
مگر رکھیں بلند اپنے عزائم...

فلک کے نیلگوں پانی میں تیریں
اگر جی چاہے غوطے بھی لگائیں

اڑیں جس سمت چاہیں، تتلیوں سے
پکڑ کر ہاتھ اپنے ساتھیوں کے

سمجھ کر ہم ہواؤں کے اشارے
خوشی سے دیکھیں دنیا کے نظارے

ہم اپنا ملک ہندوستان دیکھیں...
ہمالہ دیکھیں، اس کی شان دیکھیں
نگاہِ دوربیں سے تاج دیکھیں...
گزشتہ کل کو اپنے آج دیکھیں...

مہِ کامل سے سیکھیں نور دینا
اندھیروں کو چراغِ طور دینا...

بلندی پر اڑائیں اپنا پرچم...
زمانے کو بتائیں کم نہیں ہم...
مصیبت میں ہر اک کو دیں سہارا
دکھائیں سب کو کیا ہے بھائی چارہ

محبت کے سبق کو عام کر دیں...
اگر سازش اٹھے، ناکام کر دیں...

■

Tabassum Sahar
12, Novel heights 3 Rd Floor
In Front of Datta Mandir
Near Delta Royal
Satvik nagar, Pakhal Road
Nashik - 422011 (Maharashtra)

اے بچو

علم و عمل کے پھول کھلاؤ اے بچو
سارے عالم کو مہکاؤ اے بچو

صبح سویرے اٹھنے کی عادت ڈالو
روزانہ مسجد میں جاؤ اے بچو!

مل جل کے رہنے سے الفت بڑھتی ہے
رشتوں کو مضبوط بناؤ اے بچو!

سورج چاند ستارے اور جگنو بن کر
ہر جانب بس نور لٹاؤ اے بچو!

عزم و ہمت اور مسلسل محنت سے
ہر مشکل آسان بناؤ اے بچو!

اچھے رہبر بن کے ساری دنیا کو
اچھائی کی راہ دکھاؤ اے بچو!

■

Kaleem Rahbar
Chikhli Road
Amdapur - 444301
Distt.: Buldana (Maharashtra)
Mob.: 9767125832

حامد حسین

قلم کی پکار

ہر جگہ میرا نام ہے پیارے
میرا ہی احترام ہے پیارے
مجھ سے بہتی ہیں علم کی ندیاں
مجھ سے ملتی ہیں ہر جگہ خوشیاں
شادماں مجھ سے لوگ رہتے ہیں
کامراں میرے دوست ہوتے ہیں
رفعتوں کا جہاں مقدر ہے
عزتوں کا نشاں میسر ہے
عادلوں سے ہے دوستی میری
ظالموں سے ہے دشمنی میری
عاقلوں کے لیے میں رحمت ہوں
غافلوں کے لیے مصیبت ہوں
مجھ سے گر دور ہوگیا کوئی
اس کی قسمت میں آئی رسوائی
میں قلم ہوں یہی ہے میری پکار
مجھ سے قائم ہے زندگی کا وقار
تم بھی حامد قلم کو اپناؤ
اس کی عظمت کو دل میں بٹھاؤ

■

Hamid Hussain
R-232/4, 4th Floor Near Qadri Masjid
Jogabai, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9570530961

ساجدہ خاتون

شفیع الدین نیر کی نگارشات

شفیع الدین نیر کی پیدائش اترولہ ضلع علی گڑھ 1903 میں ہوئی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے اردو کیا، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ثانوی مدرسہ میں اردو کے معلم تھے وہ بچوں کے استاد تھے۔ اس لیے بچوں کی نفسیات اور ذوق کا اندازہ کرنے میں بخوبی ماہر تھے۔ بچوں کی ذہنی نشوونما کے لیے نظم ونثر کی کتابیں لکھیں۔

شفیع الدین نیر بے حد ذہین تھے۔ اگر وہ چاہتے تو اپنی صلاحیت کا استعمال بڑوں کے لیے بھی کر سکتے تھے۔ لیکن پوری زندگی بچوں کے لیے وقف کر دی۔ بچوں کے ادب کی تخلیق نہایت مشکل ہے ایک ایک لفظ پر غور کرنا اور بچوں کی نفسیات پر خاص طور سے خیال رکھنا ہوتا ہے، تاکہ ادب کے ذریعہ بچوں کی عمدہ ذہنی تربیت اور شخصیت کی نشوونما کی جا سکے۔ اس کے ذریعہ بچہ اخلاق وحکمت، زبان وبیان، ماحول سے واقفیت حاصل کرتا، کہانیوں کے ذریعہ کائنات سے رابطہ کرتا ہے اور دنیا کے متعلق معلومات بھی حاصل کرتا ہے۔ شفیع الدین نیر کی تخلیقات میں تمام چیزیں بدرجہ اتم موجود ہے۔

شفیع الدین نیر اپنی بعض امتیازی خصوصیات اور تجربات کی وجہ سے منفرد اور نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ نیر صاحب نے ادب اطفال کے لیے کثیر تعداد میں کہانیاں، نظمیں، مکالمے اور مضامین لکھے اور دوسری زبان کی کہانیوں کے ترجمے کیے۔ ان کی پہلی نظم 'صبح' 1926 میں رسالہ ہونہار میں شائع ہوئی، اور پہلی کہانی 'میاں مٹھو' 1947 میں شائع ہوئی۔ کئی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ جن میں پیاری چڑیا، قالب کی کہانی، مٹی کے گیت، ہماری زندگی، بدھو کی بیوی، ریڈیو کا بھوت، میاں مٹھو، بونے کا ہوا، یادگار انگوٹھی، گھر کا آئینہ، باپ کی ناؤ، جھگڑو منگو، شیر خان کے معرکے، پری کی چھڑی، تارا کا ڈنڈا، مزدور کا بیٹا، بیخ شہزادی، ٹلو میاں، عید کے کھلونے، ننھی شہزادی کی کہانیاں، وطنی نظمیں، اسلامی نظمیں، طلسمی چیتا، مٹی کا تحفہ، ہماری نعت، گاؤں سدھار گیت، بچوں کا تحفہ حصہ اول اور دوم، تعلیمی تحفہ حصہ اول اور دوم وغیرہ۔

ان کی کہانیوں اور نظموں میں اخلاقی پیغام ہوتا ہے۔ انھوں نے ہندوستانی تناظر، سائنسی شعور، تاریخ وثقافت، قومی یکجہتی وغیرہ کو دلچسپ انداز میں پیش کیا۔

نیر صاحب نے بڑی تعداد میں کہانیاں اور مضامین لکھے۔ وہ تخلیق کرتے وقت بچوں کی ذہنی سطح کا خاص خیال رکھتے، بچوں کی زبان اور موضوعات کے انتخاب میں بھی شعور سے کام لیتے ہیں۔

ان کی کہانیاں تین ادوار پر مشتمل ہیں۔ پہلا دور سات آٹھ برس کے بچوں کے لیے:

جن میں تارا کا ڈنڈا، بونے کا ہوا، انار راجا، پری کی چھڑی، بیخ شہزادی، پرستان کی پری، بونے کا انصاف، چھن ٹن، ٹلو میاں وغیرہ۔

دوسرا آٹھ سے گیارہ برس کے بچوں کے لیے:

جن میں بدھو کی بیوی، ریڈیو کا بھوت، میاں مٹھو، طلسمی

بیٹا، کھلو میاں، یادگار انگوٹھی۔

تیسرا گیارہ سے چودہ برس کے بچوں کے لیے:

گھر کا آئینہ، عید کے کھلونے، پیسے کا صابن، مزدور کا بیٹا، باپ کی ناؤ، شیر خان کے معرکے، جھنگو منگو وغیرہ۔

شفیع الدین نیر کی 'غالب کی کہانی' اہم ترین کتاب ہے۔ یہ غالب کے حیات اور کارنامے پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ذاکر حسین کی فرمائش پر لکھی گئی، اس کتاب کی زبان عام فہم اور دل نشین انداز اور مواد کی ہنرمندانہ ترتیب ہے۔ نیر صاحب چاہتے تھے کہ بچے غالب کی نظم ونثر سے واقف ہو سکیں۔ ان میں غور و فکر کی عادت اور تخیل میں توسعت ملے، یہ بھی معلوم ہو کہ مرزا غالب کون ہیں تاکہ آگے چل کر شعر و ادب کی فہم میں آسانی ہو۔

غالب کی کہانی پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں چند ذیلی عنوانات کے تحت لکھا گیا، دو حصوں میں نثر اور نظم میں تقسیم اور آخری باب غالب کے اخلاق پر مشتمل ہے۔

نیر صاحب کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''الغرض میرا مقصد یہ ہے کہ کتاب بچہ بچوں میں حضرت غالب کی نظم ونثر کے مطالعے کا شوق پیدا کرے، ان کی ذہنی تربیت اور ذوق ادب کی بنیاد رکھے۔''

'غالب کی کہانی' بہت مقبول ہوئی، جامعہ اردو علی گڑھ میں یہ کہانی امتحان ادیب کے نصاب میں شامل کی گئی۔ یہ کتاب بچوں کو غالب کے بارے میں جاننے کے لیے کافی ہے بہر حال یہ غالب کی زندگی پر ایک بہترین کتاب ہے۔

شفیع الدین نیر ادب اطفال میں بچوں کے عظیم شاعر ہیں۔ انھوں نے کثیر تعداد میں بچوں کے لیے نظمیں لکھیں۔ ان نظموں کو تین ادوار میں تقسیم کیا۔

پہلا دور سات سے آٹھ برس کے بچوں کے لیے:

بچوں کا کھلونا، گھی شکر، ننھی کہانیاں۔

آٹھ سے گیارہ برس کے بچوں کے لیے:

بچوں کا تحفہ حصہ اول اور دوم، تعلیمی تحفہ حصہ اول دوم، مٹی کے گیت، مٹی کا تحفہ۔

گیارہ سے چودہ برس کے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے:

اسلامی نظمیں، وطنی نظمیں، ہماری نعت وغیرہ۔

ان نظموں کے ذریعہ بچوں میں اخلاقی اقدار کو فروغ دیا گیا ہے۔ بچے منظوم ادب میں دلچسپی زیادہ لیتے ہیں۔ اس لیے ان نظموں کے ذریعہ عادت و اطوار، سیرت کی تعمیر، اخلاقی پہلو کو پیش نظر رکھا، ان میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے بہت سے پہلو موجود ہیں ان نظموں میں سبق آموزی کا عنصر بھی موجود ہے جس سے بچے کے کردار کی نشوونما میں مدد ملتی ہیں۔ اس سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے۔

'بچوں کا تحفہ' شفیع الدین نیر کا اہم ترین شعری مجموعہ ہے۔ جو 1936 میں شائع ہوا، جو کافی مقبول ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا، اور اہم اداروں نے ان نظموں کو شامل نصاب کیا۔

نیر صاحب نظموں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''ان نظموں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ میں نے ان نظموں کے ذریعہ بچوں کو اپنے گرد و پیش کی چیزوں سے دلچسپی لینے اور ان کا دلچسپی کے ساتھ بغور مشاہدہ کرنے کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ۔

زبان سلیس، عام فہم اور با محاورہ ہو۔

خیالات سادہ ہوں۔

عام اور مفید معلومات فراہم کی جائے۔

بغیر نصیحت کا ہوا اختیار کیے اخلاقی تعلیم کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

نظموں میں روانی اور اختصار ہو۔

عنوانات میں تنوع ہو۔

بحریں قابل ترنم ہوں۔"

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ بچوں کی قوت مشاہدہ کو بڑھانے اور اطراف کی اشیا سے دلچسپی پیدا کرنے کا بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم ان نظموں کا مطالعہ کریں تو آپ کو بھی اندازہ ہوگا کہ وہ بچوں کی نفسیات ذوق اور پسند کا اندازہ کرنے میں خوب ماہر تھے۔ مثلاً برسات نظم بے حد پرکشش انداز میں لکھی گئی ہے۔ چند شعر۔

برسات کی رُت آئی، چلنے لگی پروائی
لو اٹھ کے وہ پورب سے، گھنگھور گھٹا چھائی
مدت سے یہ تھی خواہش، لو ہونے لگی بارش
پہلے تو پڑیں بوندیں، پھر موسلا دھار آئی
ہے کھیتوں میں سیرابی، ہے دھوپ کی نایابی
بیدار ہوئے پودے، لینے لگے انگڑائی

اس نظم میں بہت روانی کے ساتھ برسات کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔

'مادر ہند کا خطاب' بھی کافی اہم نظم ہے۔ یہ نظم جذبات سے پُر ہے۔

نظم 'مادر ہند کا خطاب' کے چند شعر دیکھیے۔

ہندو بھی مجھے پیارے، مسلم بھی مجھے پیارے
میرے لیے دونوں ہیں آنکھوں کے مری تارے
ہے دل سے دعا میری، مسرور رہیں دونوں
دکھ درد سے دنیا کے یہ دور رہیں دونوں
ہندی کا بھی چرچا ہو، اردو بھی پھلے پھولے
جھولے میں ترقی کے ہر ایک زباں جھولے

ان کی نظموں کا ایک نہایت ہی دلچسپ مجموعہ 'منی شگر' ہے۔

'منی کہانیاں' یہ بھی نظموں کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں الگ انداز اختیار کیا اور جدت پیدا کی ہے۔ ہر نظم میں کیا ہوتا ہے ہتلاؤ تم؟ کے سوالیہ عنوان سے شروع ہوتی ہے اس سے بچے کے ذہن کو سوال کرنے اور غور و فکر کی عادت پڑے اور آس پاس کی چیز سے آشنا ہو۔

اسی طرح 'اسلامی نظمیں' بھی اہم مجموعہ ہے۔ اس میں آسان زبان میں اسلام کی تعلیمات کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔ ان نظموں کے ذریعہ اسلامی اخلاق سکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

'منی کے گیت' چھوٹے بچوں کے لیے اور 'منی کا تحفہ' بڑی عمر کے لیے لکھا تاکہ بچوں کو زبان سیکھنے میں مدد ملے اور اس کے ذریعہ نئی نئی باتوں سے واقف ہوں۔ اس کے علاوہ دوسرے مجموعے بھی کافی اہم ہیں۔

نیر صاحب کی زبان عام فہم سادہ سلیس ہے۔ نظموں میں نغمگی کے ساتھ شگفتگی اور روانی بھی ہے۔ کہانیوں کو چھوٹے چھوٹے جملوں کے ذریعے پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ شعری اصطلاحوں کو استعمال کرتے ہیں، غیر مانوس الفاظ سے گریز اور چھوٹے جملوں کے ذریعہ اپنی بات پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے بچوں کی زبان اور عمر پر خاص طور پر توجہ دی۔

غرض ہم کہہ سکتے ہیں کہ نیر صاحب بچوں کے ادیب ہی نہیں بلکہ محبت کرنے والے استاد تھے۔ وہ ہر وقت بچوں کے لیے فکر مند رہے۔ باتوں ہی باتوں میں کھیل کھیل کی بات کرتے اور شعری پیرایہ میں نصیحت کرتے۔ ان کے یہاں انسان دوستی، صداقت اور سچائی کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ نیر صاحب اپنی ذات میں ایک کائنات تھے۔

■

Sajida Khatoon
Research Scholar, Dept of Urdu
Jamia Millia Islamia
New Delhi - 110025
Mob.: 8006677303

درخت اور آندھی

بانو سرتاج

ڈاکٹر بانو سرتاج (پ: 17 جولائی 1945) کا تعلق مہاراشٹر سے ہے۔ انھوں نے ہندی، اردو اور تاریخ میں ایم اے کیا ہے۔ تدریس سے وابستہ رہی ہیں اور پرنسپل کی حیثیت سے انھوں نے خدمات انجام دی ہیں۔ بانو سرتاج ادب اطفال کا ایک اہم نام ہیں۔ انھوں نے کہانیاں، ڈرامے، افسانے، مضامین کے علاوہ ترجمے بھی کیے ہیں۔ مختلف موضوعات پر بڑوں کے لیے 24 سے زائد کتابیں ہیں، تو بچوں کے لیے ان کی تصنیفات کی تعداد 66 سے زائد ہے۔ انھیں مختلف اعزازات مل چکے ہیں۔ 2015 میں ساہتیہ اکادمی نے انھیں بال ساہتیہ پرسکار سے سرفراز کیا تھا۔ ان کی اہم کتابوں میں مسرے کا مسز، خدائی خدا، بچوں کے لیے یک بابی ڈرامے، جنگل میں منگل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بچوں کے ادب پر "معماران اردو ادب اطفال" ان کی حوالہ جاتی کتاب ہے۔

آم کا ایک درخت پھلوں سے لدا کھڑا تھا۔

آندھی ادھر سے گزری تو اسے بڑی جلن ہوئی۔ غصے سے پھنپھنانے لگی۔ شیطانی روپ اختیار کرلیا— تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ آم کے پیڑ کی موٹی موٹی ٹہنیاں ٹوٹ کر نیچے گرنے لگیں۔ چاروں طرف آم بکھر گئے۔

آم کا درخت رونے لگا... بولا، "میں نے تمھارا کیا بگاڑا تھا آندھی بہن۔ کیوں میری ایسی حالت کردی؟"

"میں نے کیا کیا؟" آندھی نے معصومیت سے پوچھا۔

"اس قدر تباہی مچا کر پوچھتی ہو میں نے کیا کیا؟"

"پوچھ رہی ہوں۔ بتاتے کیوں نہیں؟ کیا کیا ہے میں

ے؟"

"میرے پھل نیچے گرا دیے۔ گاؤں کے بچے ان پھلوں کے لیے میرے پاس دوڑ کر آتے تھے۔ آم چن کر کھاتے۔ خوش ہو کر ناچتے گاتے، کھیلتے کودتے، مجھے اچھا لگتا تھا... آم وہ گھر بھی لے جاتے تھے۔"

"تو اب بھی لے جا سکتے ہیں... نیچے پڑے ہیں۔" آندھی نے شرارت سے مسکرا کر کہا

"اندھیرے میں بچے کیسے آئیں گے؟" آم نے روتے ہوئے کہا۔

"صبح لے جائیں گے۔" آندھی نے کہا—

"صبح تک باقی بچیں گے تب لے جائیں گے نا... رات کو چور آئیں گے سارے آم چن کر لے جائیں گے۔ بچوں کو کچھ نہ ملے گا۔"

"بس کرو۔" آندھی نے تنگ کر کہا۔

"بچوں سے ہمدردی کا راگ بند کرو... بچے... بچے...! بچوں کے لیے کیا میں اپنا کام چھوڑ دوں؟"

کیا ہے تمھارا کام!... درختوں سے کچے پکے پھل گرانا، مکان کی چھتیں توڑنا، فصلیں برباد کرنا..." درخت نے روتے ہوئے کہا" صبح بچوں کو آم کھانے نہیں ملیں گے۔"

"بڑے ہمدرد بن رہے ہو بچوں کے... وہ جب تمھیں پتھر مارتے ہیں تب ان پر غصہ نہیں آتا۔" آندھی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"نہیں آتا غصہ! بچوں کے پتھر بھی مجھے اچھے لگتے ہیں کیونکہ وہ ضرورت کے تحت مارے جاتے ہیں۔ تم نے تو جلن کے مارے میرے پھل گرا دیے۔ تم کوئی اچھا کام نہیں کر سکتیں؟"

"نہیں کر سکتی۔ اب تجھے بھی گرا دیتی ہوں منحوس پیڑ۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری..." آندھی اپنے فل فارم میں آ گئی۔ درخت اکھڑ کر زمین کی طرف جھکنے لگا۔

آندھی قہقہے لگانے لگی۔

زمین کو آندھی کی یہ حرکت پسند نہیں آئی۔ اس نے درخت کی جڑوں کو مضبوطی سے جکڑ کر زمین پر گرنے سے بچا لیا۔ بولی، "پیارے درخت! تم بچوں کے لیے زندہ رہو گے۔ میں تمھیں مرنے نہیں دوں گی۔ تم برسوں تک اسی حالت میں پڑے پڑے پھل دیتے رہو گے۔"

دوسرے سال آم میں بور آیا۔ آم لگے، خوب لگے۔ بچوں نے درخت پر چڑھ کر، بیٹھ کر آم توڑے اور کھائے۔

آندھی اس راستے سے گزری تو یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی... وہ درخت کے ایثار سے بہت متاثر ہوئی۔ سوچنے لگی— مجھے اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے۔ میں ہمیشہ برا سوچتی برا کرتی ہوں اور ایک یہ درخت ہے جو ٹیڑھا ترچھا پڑا ہے پھر بھی پھل دے کر بچوں کو خوش کر رہا ہے۔

آندھی رونے لگی— "میں اپنے آپ کو کیسے بدلوں؟ میں اچھی بننا چاہتی ہوں۔ آم کے درخت کی طرح سب کا بھلا کرنا چاہتی ہوں۔ بچوں میں پیار بانٹنا چاہتی ہوں۔"

زمین نے سر اٹھا کر آندھی کو دیکھا اور کہا، "اچھا بننا کوئی ناممکن کام نہیں ہے، ہاں مشکل ضرور ہے۔ کوشش کرو۔ ابھی سے آغاز کر دو۔ آغاز اچھا ہو تو انجام بھی اچھا ہوتا ہے۔"

"میں تمھاری مدد کروں گا۔" درخت نے خلوص سے کہا۔ آندھی مسکرانے لگی۔

■

Dr. Bano Sartaj Kazi
Sartaj House, Jindran Nagar
Near 1st MSEB Tower
Pandharkawada Road
Yavatmal - 445001 (Maharashtra)

کہانی

کھاچڑی
(مہاراشٹر کی لوک کہانی)

محمد کلیم ضیا

ڈاکٹر کلیم ضیا کا تعلق ملکاپور، ضلع بلڈانا سے، ودربھ ضلع مہاراشٹر سے ہے۔ انھوں نے اردو، فارسی، عربی میں ایم اے کیا ہے اور اردو سے پی ایچ ڈی کی ہے۔ تعلیم و تدریس سے ان کی وابستگی رہی ہے۔ بہ حیثیت اداکار بھی انھوں نے 100 سے زائد ٹی وی سیریل و ویب سیریز میں کام کیا ہے۔ شاعر، محقق، نقاد اور مترجم کی حیثیت سے ان کی شناخت ہے۔ 12 کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور 12 نصابی کتابوں کی تدوین بھی کی ہے۔ ان کی بہت سی تخلیقات نصابی کتابوں میں بھی شامل ہیں، خاص طور پر کمپرالا ریڈر جماعت پنجم اور ہفتم میں ان کی ایک ایک نظم شامل ہے۔ ان کی شخصیت اور خدمات پر بہت سے مقالے شائع ہو چکے ہیں اور مختلف رسائل نے ان پر گوشے بھی شائع کیے ہیں۔ مختلف سماجی اور ادبی انجمنوں سے منسلک رہے ہیں۔ بچوں کے رسائل و جرائد میں بھی ان کی تخلیقات تواتر کے ساتھ چھپتی رہی ہیں۔

بدھو کئی دنوں سے بیمار چل رہا تھا۔ گاؤں کے حکیم صاحب کی دوائی سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ حکیم صاحب نے اسے مشورہ دیا کہ شہر کے بڑے ڈاکٹر کو ایک بار دکھا دو۔ شہر، گاؤں سے بہت دور تھا اور پھر وہاں جانے کے لیے کوئی سواری بھی نہیں تھی۔ بدھو بہت غریب تھا، اس کے پاس تو بیل گاڑی بھی نہیں تھی کہ اسی سے شہر چلا جاتا۔ کسی طرح بدھو شہر کے بڑے ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔ ڈاکٹر نے ہر طرح کی جانچ کے بعد کچھ دوائیاں دیں، کئی قسم کے پرہیز بتائے اور کھانے کے لیے صرف 'کھچڑی' بتائی۔

بدھو نے ڈاکٹر کی تمام باتیں بغور سنیں اور فیس وغیرہ ادا کر کے اپنے گاؤں کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ لفظ 'کھچڑی' بھول گیا۔ اس سے پہلے بدھو نے نہ تو کبھی کھچڑی کا نام سنا تھا اور نہ ہی اسے دیکھا تھا۔ وہ ڈاکٹر کے پاس پلٹا اور پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب! میں کیا کھاؤں گا؟ ڈاکٹر نے بڑی محبت سے کہا۔ ''کھچڑی!'' بدھو منھ ہی منھ میں کھچڑی کھچڑی کھچڑی بڑبڑاتا ہوا پھر گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ راستے بھر وہ کھچڑی کو یاد کرتا رہا۔ شہر کی چکا چوند دیکھتے دیکھتے جا رہا تھا۔ ٹھوکر لگی، گرا، گر کر اٹھتے ہی 'کھچڑی' 'کھاچڑی' ہو گئی۔ اب بدھو

کھاچڑی کھاچڑی کہتا ہوا آگے بڑھا۔ شہر کے راستے ختم ہوئے، جنگل کی راہ لی۔ ایک کھیت میں داخل ہوا جہاں ایک کسان بیج بو رہا تھا۔ بدھو وہاں سے جاتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا کھاچڑی کھاچڑی کھاچڑی... کسان بے چارہ پہلے ہی محنت کرنے میں مگن تھا اوپر سے مختلف پرندے اس کے بوئے ہوئے دانوں کو چگ رہے تھے۔ وہ بار بار انھیں اڑاتا جا رہا تھا مگر چڑیاں تھیں کہ ذرا دیر کے لیے اڑتیں پھر واپس آ جاتیں.....

بدھو کی زبان سے جب اس نے کھاچڑی کھاچڑی کھاچڑی کے الفاظ سنے تو وہ غصہ ہو گیا۔ وہ سمجھا کہ یہ بدبخت چڑیوں کو دانے کھانے کا کہہ رہا ہے اور مجھے چڑا رہا ہے۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بڑھ کر بدھو کے کان کے پیچھے دو چار چانٹے رسید کر دیے۔ بدھو پریشان ہو گیا۔ ماجرا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ آخر اس سے کیا قصور ہو گیا ہے کہ کسان نے مارا....

کسان نے فوراً کہا ”کیا بول رہا تھا؟“ بدھو بولا ”کھاچڑی کھا..... چپ ہو جا، کسان نے چیختے ہوئے کہا، کم بخت! میں اتنی محنتوں سے چڑیوں کو اُڑا رہا ہوں اور تو ہے کہ انھیں کھانے کی دعوت دے رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ بدھو اپنی طرف سے کوئی صفائی دیتا، کسان نے اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا ”فوراً یہاں سے رفو چکر ہو جا اور سُن اب چڑیوں کو دعوت مت دینا ورنہ بہت ماروں گا.....“ بدھو نے اپنے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ”پھر کیا کہوں؟“ کسان نے مڑتے ہوئے کہا ”اُڑ چڑی..... اُڑ چڑی..... سمجھا“ یہ سنتے ہی بدھو نے اس آفت سے چھٹکارا پانے کا راستہ پکڑ لیا اور اپنے گاؤں کی طرف چل دیا۔ بدھو گال سہلاتا اور بڑبڑاتا ہوا چلا جا رہا تھا ”اُڑ چڑی..... اُڑ چڑی.....“ ایک پگڈنڈی سے جاتے وقت زور زور سے چلا رہا تھا۔ ایک جھاڑی کی اوٹ میں ایک شکاری چڑیوں کے

شکار کی غرض سے چھپا بیٹھا تھا۔ بدھو جہاں سے گزر رہا تھا، اس سے تھوڑے فاصلے پر شکاری نے جال پھیلا رکھا تھا۔ اس کی آواز سے بہت سی چڑیاں جو جال میں پھنسنے والی تھیں، پھر سے اڑ گئیں۔ شکاری جھنجھلا گیا۔ جھاڑیوں سے کودا اور بدھو کا گریبان پکڑ لیا۔ بدھو گھبرا گیا اور گڑگڑانے لگا ”بھیا! اگر ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دو ہم کو اپنے گھر جانے دو“۔ شکاری سمجھ گیا کہ یہ آدمی بے وقوف معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ڈانٹ ڈپٹ کر اسے چھوڑ دیا اور چلتے چلتے تاکید کر دی کہ اب ’اُڑ چڑ

ئی اُڑ چڑی مت کہنا، بلکہ آتے جاؤ پھنستے جاؤ، آتے جاؤ پھنستے جاؤ" کہتے ہوئے جانا۔ بدھو نے "آتے جاؤ پھنستے جاؤ" کی رٹ لگائی اور سرپٹ دوڑا۔ اس کے پیچھے شکاری کا مقصد یہ تھا کہ چڑیاں آکر جال میں پھنستی چلی جائیں۔ ابھی اس نے ایک کھیت ہی پار کیا تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ سامنے بھیڑ ہے۔ قریب جانے پر معلوم ہوا کہ ایک تالاب ہے جس میں بہت گہری کیچڑ ہے۔ اس دلدل نما کیچڑ میں کچھ لوگ پھنسے ہوئے ہیں۔ اوپر کھڑی ہوئی بھیڑ سے کچھ لوگ انھیں نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خوب شور شرابا ہو رہا تھا۔ بدھو بھیڑ کو چیرتا ہوا تالاب کے کنارے پہنچ گیا اور اس ہنگامے میں زور زور سے بڑبڑانے لگا، "آتے جاؤ پھنستے جاؤ" پھنسے ہوئے لوگوں کو نکالنے والوں میں سے ایک آدمی کے کان میں بدھو کے الفاظ پڑ ہی گئے، وہ شخص پسینے میں شرابور ہانپتے کانپتے بدھو کو پیٹنے لگا۔ وہ یہ سمجھا کہ یہ شخص بددعا دے رہا ہے کہ جس طرح یہ لوگ دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور لوگ بھی آکر پھنستے جائیں اور کبھی نہ نکلیں۔ دوسرے لوگوں نے جب یہ نیا تماشہ دیکھا تو ان میں سے کچھ لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ کچھ نے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی، جب بات سب کو معلوم ہوئی تو لوگ بہت ناراض ہوئے۔ غصہ اُتارنا تو سب ہی چاہ رہے تھے مگر پھر خیال آیا کہ دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو کون نکالے گا؟ یہ بے چارے مر جائیں گے۔ بہر حال ایک آدمی پٹتے چلاتے بدھو کو ایک طرف لے گیا اور سمجھانے لگا، کہ دیکھو تمھاری خیریت اسی میں ہے کہ اب تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ مگر اب ایسا بھی مت کہنا کہ "آتے جاؤ پھنستے جاؤ"..... بدھو نے ڈرتے ڈرتے کہا "پھر کیا کہوں؟" اس آدمی نے کہا۔ "کہو ایسا کبھی نہ ہو" اس نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ یہاں جس طرح لوگ دلدل میں پھنس گئے ہیں، اس طرح دوسرے لوگ کسی مصیبت میں نہ پھنسیں لیکن بدھو میاں ٹھہرے بدھو میاں، چلے اپنی دُھن میں "ایسا کبھی نہ ہو" کی رٹ لگاتے ہوئے۔ چلتے چلتے ایک گاؤں سے گزر رہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بارات چلی آرہی ہے۔ ڈھول باجے تاشے اور ناچ گانے والے، ناچتے گاتے آرہے ہیں۔ پیچھے گھوڑے پر ایک دولہا سر سے پاؤں تک سہرے میں لدا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ بے چارہ بارات دیکھنے کی ہوس میں اور قریب چلا گیا۔ بڑبڑا تو پہلے سے رہا تھا کہ ایسا کبھی نہ ہو اور جب گھوڑے کے اور نزدیک گیا تو بڑبڑاتے ہوئے گھوڑے کی لگام پکڑنے والے سے اشاروں اشاروں میں پوچھ لیا کہ دولہا کیسا ہے؟ اس آدمی نے پوچھا "کیا کہا" بے چارے کی آواز بلند ہو گئی "ایسا کبھی نہ ہو" بدھو اتنی زور سے بولا کہ یہ جملہ دولہے کے کان میں پڑ گئے۔ اس نے جوں ہی اپنے سہرے کو پلٹا تو پتا چلا کہ یہ تو بوڑھا پوپلا آدمی ہے۔ بدھو کی بات اس کی سمجھ میں آگئی کہ یہ بے وقوف یہ چاہتا ہے کہ اس بوڑھے کی شادی کبھی نہ ہو۔ دولہا فوراً گھوڑے سے کودا اور بدھو کی پٹائی شروع کر دی۔ سارے باراتیوں نے بدھو کو گھیر لیا۔ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ دولہے نے پیٹتے پیٹتے بدھو سے کہا "یہاں سے فوراً تو دو گیارہ ہو جا ورنہ مار مار کے تیری کھچڑی بنا دوں گا۔ بدھو کے دماغ کے سارے قمقمے یک بیک روشن ہو گئے۔ بدھو میاں پیٹتے بھاگتے اپنے گاؤں کی طرف بھاگے مگر بڑبڑانا نہیں بھولے کھچڑی کھچڑی.....

■

Dr. Mohammad Kalim Zia
A/1 3, Rawal Enclave, Rawal Nagar
Opp: Rawal School & College
NR: Mira Road Station, Mira Road (East)
Distt.: Thane - 401107 (Maharashtra)
Mob.: 9892933626

اچھن میاں اور چور

بابو آر کے

بابو آر کے کا اصل نام بابو رحمت اللہ خان ہے۔ ان کا تعلق مہاراشٹر کے شہر اچلپور ضلع امراوتی سے ہے۔ ان کی تعلیمی لیاقت ایم اے اردو ہے۔ پچھلے 42 برسوں سے بچوں کا ادب اور طنز و مزاح تخلیق کر رہے ہیں۔ ان کی 8 کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ خطا معاف، ہو بہو، بالمشافہ اور موشگافیاں کے ساتھ ساتھ بچوں کے ادب میں 'الف سے اونٹ'، 'آؤ سوچیں'، 'اچھن میاں کے بچپن' اور 'آیا موسم کہانیوں والا' یہ کتابیں بچوں کے لیے انھوں نے بطور خاص تحریر کی ہیں۔ ان کی بہت سی کتابوں پر انعامات و اعزازات بھی ملے ہیں۔ ان کی کتاب 'اچھن میاں کے بچپن' حصہ دوم زیر طبع ہے۔

جب سے اچھن میاں نے ٹی وی پر بہادر بچوں کو راشٹرپتی جی کے ہاتھوں انعامات لیتے دیکھا تھا اس دن سے وہ بھی راشٹرپتی جی کے ہاتھوں بہادری کا تمغہ لینے کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ اس سال تو انھوں نے بہادری کا کوئی نہ کوئی کارنامہ انجام دینے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔

اپنے اس مقصد کو پانے کے لیے انھوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ ٹی وی پر دن رات وہ ایڈونچر کے سیریل دیکھنے لگے۔ بہادر بننے کے سارے طریقے انھوں نے اپنا لیے۔ یہاں تک کہ گھر کی پالتو بلی جو ان کے لیے خونخوار شیر کا درجہ رکھتی تھی اسے بھی انھوں نے گھورنا شروع کر دیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ کتے کو نظر بھر کر دیکھنے کی ہمت بھی انھوں نے اپنے اندر پیدا کر لی تھی۔ خود کو فٹ اور چاق و چوبند رکھنے کے لیے آنگن میں موجود تین فٹ اونچے چبوترے پر چڑھ کر وہاں سے کودنے کی پریکٹس بھی وہ کرنے لگے تھے۔

اس کے علاوہ دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کو اتنا بڑھا لیا کہ وہ تیز دھار دار ہتھیار بن گئے اور اس طرح دشمن سے لڑنے کی جب ساری تیاریاں انھوں نے مکمل کر لیں تو پھر بہادری کا کوئی نہ کوئی کارنامہ انجام دینے کے لیے وہ بے چین ہو گئے۔

ان حالات میں ایک دن خدا خدا کر کے ایک موقع ان کے ہاتھ آ ہی گیا۔ ہوا یہ کہ پچھلے کچھ دنوں سے شہر میں روز کہیں نہ کہیں چوری کی وارداتیں ہونے لگی تھیں جس کی وجہ سے شہر میں ہر طرف دہشت کا ماحول تھا۔ ہر کوئی ڈرا سہما ہوا تھا۔ چوروں کے ڈر سے لوگ اپنے گھروں میں جاگ جاگ کر راتیں گزارنے لگے تھے..... اور ٹھیک ایسے ماحول میں شہر سے دور گاؤں میں اچھن میاں کے خالو جان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ وہ آخری سانسیں لینے لگے۔ انھیں دیکھنے کے لیے دور نزدیک کے سارے رشتے دار گاؤں جانے لگے۔

ایسے حالات میں اچھن میاں کے امی ابو کا جانا بھی ضروری تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ ان کے ساتھ جانے کے لیے اچھن میاں راضی نہ ہوئے۔ ان کے امی ابو نے لاکھ سمجھایا کہ میاں شہر میں چوروں کی دہشت ہے۔ آئے دن چوریاں ہو رہی

ہیں تم ٹھہرے بزدل اور ڈرپوک ایسے حالات میں تم اکیلے گھر میں کیسے رہو گے؟

یہ سن کر اچھن میاں بولے..... سب سے پہلی بات تو یہ کہ آپ ہمیں بزدل اور ڈرپوک سمجھنے کی غلطی نہ کریں۔ دوسری سب سے خاص بات تو یہ کہ چوریاں ہو رہی ہیں اسی لیے تو ہم گھر میں رہنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگ اطمینان سے جائیے ہماری فکر مت کیجیے۔ ان شاء اللہ ہم بہادری کے ساتھ ہر مصیبت کا سامنا کریں گے جو ہوگا دیکھ لیں گے... اور اس طرح اچھن میاں کی ضد کے آگے ان کے امی ابو نے ہتھیار ڈال دیے اور پھر اچھن میاں کو ساری باتیں اچھی طرح سمجھانے کے بعد یہ لوگ گاؤں کے لیے روانہ ہو گئے۔

گھر والوں کے جانے کے بعد دوپہر میں اچھن میاں تھیلی ہاتھ میں تھامے اپنے مشن پر گھر سے نکلے اور بازار کی جانب چل پڑے۔ راستے میں وہ چور سے دو دو ہاتھ کرنے کے پلان بنانے لگے۔ چلتے چلتے انھیں جیسے ہی یہ خیال آیا کہ چور ان کے لمبے بالوں کو پکڑ کر انھیں زیر کر سکتا ہے تو انھوں نے سب سے پہلے حجام سے اپنے بال کٹوائے۔ پھر انھیں خیال آیا کہ مڈبھیڑ میں انھیں زخم بھی لگ سکتے ہیں اس لیے احتیاطاً انھوں نے ڈاکٹر سے ٹیٹانس کا انجکشن بھی لگوا لیا۔

یہ سب کرنے کے بعد وہ فروٹ مارکیٹ میں آئے۔ مارکیٹ میں پڑے کیلے کے تمام چھلکوں کو انھوں نے تھیلی میں جمع کیا اور اس طرح اپنا مشن پورا کرنے کے بعد وہ گھر کی جانب لوٹ گئے۔ گھر آ کر انھوں نے چور سے مقابلہ کرنے کی خاص تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے تو انھوں نے ایک تیز دھار دار چھری کچن سے لا کر تکیے کے نیچے رکھی۔ پھر ایک موٹے سے ڈنڈے کو تیل پلا کر پلنگ کے نیچے لٹا دیا۔

الیکٹرک لائٹ بند ہو سکتی ہے یہ سوچ کر انھوں نے چراغ اور ماچس ٹیبل پر رکھی۔ ان تمام کاموں کو انجام دیتے دیتے مغرب کا وقت ہو گیا۔ مغرب کے بعد انھوں نے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر آنگن میں کیلے کے چھلکے انھوں نے یہ سوچ کر بچھائے کہ اگر رات میں چور دیوار کود کر آنگن میں آئے تو..... ان چھلکوں پر سے وہ چاروں شانے چت گرتا جائے۔

یہ آخری کام کرنے کے بعد وہ اطمینان سے پلنگ پر بیٹھ کر چوروں کا انتظار کرنے لگے۔ چوروں کی دہشت سے محلّے کے تمام لوگ اپنے اپنے دروازے بند کر کے گھروں کے اندر ہو گئے تھے۔ پھر رات میں نو بجے کے بعد اچانک آسمان پر کالے بادل چھا گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے زور کی آندھی چلنے لگی۔ بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک نے اچھن میاں کو لرزا دیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگے..... اسی دوران یہ ہوا کہ الیکٹرک سپلائی چلی گئی ہر طرف گھپ اندھیرا چھا گیا۔ بڑی مشکل سے اچھن میاں نے چراغ جلایا اور پھر پلنگ پر بیٹھے بیٹھے وظیفہ پڑھتے ہوئے اللہ کو منانے لگے۔ جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو... کہنے لگے۔

الغرض ایسے عالم میں انھوں نے تین گھنٹے تین برس کی طرح گزارے۔ پھر رات میں بارہ بجے کے قریب آندھی، طوفان کا زور ختم ہوا تب کہیں اچھن میاں کی جان میں جان آئی لیکن ابھی وہ خوف و دہشت سے سنبھلے ہی تھے کہ کسی نے ان کا دروازہ زور زور سے ہلایا۔ دروازہ بجنے کی آواز سن کر.... ارے باپ رے کہتے ہوئے اچھن میاں پلنگ کے نیچے چھپ گئے۔ ایک مرتبہ پھر کسی نے دروازہ ہلایا اور..... جب اچھن میاں کو پورا یقین ہو گیا کہ چور دروازہ توڑ کر اندر آنے ہی والا ہے..... تو وہ جلدی سے پلنگ کے نیچے سے اٹھے اور یہ سوچتے ہوئے کہ..... اگر بازی پلٹ گئی اور چور ان

پہ بھاری پڑ گیا تو ہو سکتا ہے وہ چھری اور ڈنڈے سے ان پہ وار کرے، اس لیے انھوں نے تکیے کے پیچھے سے چھری اور پلنگ کے نیچے سے ڈنڈا نکالا اور ان دونوں چیزوں کو گھر کے ایک محفوظ حصے میں چھپا کر رکھ دیا۔

اسی دوران ایک مرتبہ پھر چور نے دروازہ ہلایا۔ اس مرتبہ تو ڈر اور خوف سے اچھن میاں کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ سارے بدن میں جھرجھری سی آ گئی۔ اب اچھن میاں سے رہا نہ گیا۔ وہ دہائی دے کر بولے..... ارے واہ تم تو بڑے عجیب چور ہو۔ ارے میاں چوروں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں اور چوری کرنے کے کچھ قاعدے ہوتے ہیں۔ چور دستک دے کر چوری نہیں کرتے دروازے کھلوا کر گھر میں نہیں گھستے۔ دیواریں چڑھ کر چھتیں توڑ کر گھروں میں آتے ہیں.....

لیکن چور پہ اچھن میاں کی ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ زور زور سے دروازہ ہلاتا رہا اور جب انھیں پکا یقین ہو گیا کہ چور ماننے والا نہیں ہے تو انھوں نے کہا ٹھیک ہے بھائی ذرا ٹھہرو۔ ہمیں پتہ ہے کہ تم چوری کیے بغیر ٹلنے والے نہیں ہو..... تو سنو..... تم چوری مت کرو..... ہم خود اپنے ہی گھر میں چوری کروائے دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے جلدی سے اپنی امی کی ساڑی کو فرش پہ بچھایا اور خوشی خوشی سب سے پہلے اس پر اپنا اسکول کا بستہ رکھا..... پھر ابو کی کھونٹی سے لٹکی بوسیدہ اور پھٹی شیروانی نکالی۔ آج وہ موقعے سے فائدہ اٹھا کر شیروانی سے چھٹکارا پانا چاہتے تھے کیونکہ ان کے ابو جب جب یہ شیروانی پہن کر نکلتے تھے تو اچھن میاں کے دوست ان کا مذاق بناتے اور گلی کے کتے بھونکتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ابو کی پھندنے والی ٹوپی کے ساتھ آٹھ دس برتنوں کو ساڑی کی گٹھری میں باندھ کر..... گٹھری کو دیوار کے اوپر سے پھینکا اور چور کے حوالے کر دیا۔ گٹھری پھینکنے سے برتنوں کی آواز رات کے سناٹے میں گونج اٹھی۔ اس آواز پہ پاس پڑوس کے تمام لوگ ہاتھوں میں لاٹھیاں لے کر چور چور کہتے ہوئے گھروں سے نکلے اور اچھن میاں کے دروازے کی جانب دوڑے۔

اب یہاں چور تو نہیں تھا البتہ ایک گدھا دروازے سے گردن کھجاتا کھڑا تھا اور اس کے قریب ہی ایک گٹھری پڑی تھی۔ لوگوں کی چیخ پکار سن کر اچھن میاں کیلے کے چھلکوں پہ سے گرتے پڑتے دروازے تک آئے۔ دروازہ کھولا اور پھر بہادروں کی طرح سینہ پھلا کر لوگوں کو داد طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ بڑے آئے تھے چوری کرنے۔ گھر میں اکیلے بچے کو دیکھ کر چلے تھے چوری کرنے۔ ارے ہم نے بھی عقل اور بہادری سے کام لیتے ہوئے..... کیلے کے چھلکوں پہ سے گرا گرا کر وہ پٹائی کی..... کہ زندگی بھر یاد رکھے گا..... چوری کا سامان چھوڑ کر بھاگنا پڑا ہے میاں کو..... یہ دیکھو چوری کیے ہوئے سامان کی گٹھری پڑی ہے آپ کے سامنے..... لوگوں نے پوچھا..... اور یہ گدھے کا کیا معاملہ ہے؟ ارے چوری کا مال ڈھونے کے لیے گدھا لے کر آئے تھے میاں۔ پھر وہ لوگوں سے مخاطب ہو کر بولے، ہم اپنے منہ سے اپنی تعریف کیا کریں۔ ہماری بہادری اور عقلمندی کے سارے ثبوت آپ کے سامنے ہیں۔ ہم آپ لوگوں سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتے ہیں کہ اس سال بہادر بچوں کی فہرست میں ہمارا نام شامل کروا دیجیے اور راشٹر پتی جی سے ہمیں انعام دلوا دیجیے۔

■

Babu R. K
Quasidpura, Achalpur City- 444806
Distt.: Amravati (Maharashtra)
Mob.: 9890985449

کہانی

ناسمجھی

زیبا ناز

ڈاکٹر زیبا ناز کا تعلق سرزمین جگر مراد آباد سے ہے۔ انھوں نے روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لی ہیں۔ اس وقت گلاب سنگھ ہندو پی جی کالج چاند پور بجنور کے شعبہ اردو میں بہ حیثیت لیکچرر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ان کی تحریریں ملک کے متعدد مجلات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ بچوں کے لیے بھی کہانیاں اور مضامین لکھتی رہی ہیں۔ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بھی ان کی کئی تخلیقات شائع ہو چکی ہیں۔ تفسیر رنگ کلیات ذوق اور مظفر کی جہتیں' ان کی قابل ذکر کتابیں ہیں۔ بچوں کے لیے نگارشات کا ایک مجموعہ زیر ترتیب ہے۔

میڈم سادھنا کے کلاس میں یوں تو بہت سے طلبہ و طالبات تھے۔ ان میں کچھ بہت شرارتی قسم کے تھے۔ زینب بھی انھیں میں سے ایک تھی۔ اسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، والدین اسے روز اسکول بھیجا کرتے تھے اس امید پر کہ شاید اس میں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جائے، لیکن اس کی خرافات میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ آئے دن اس کی شرارتیں دیکھنے کو ملتی ہی رہتی تھیں، اسے مختلف جانوروں کی آوازیں بھی نکالنی آتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ کلاس میں سب سے پیچھے جا کر بیٹھ جاتی، اور جب وہ ایسا کرتی تو سارے بچے سمجھ لیتے تھے کہ یہ کچھ نہ کچھ شرارت ضرور کرے گی!

ایک دن کا واقعہ ہے سنگیتا میڈم کی کلاس تھی انھوں نے بلیک بورڈ پر ہندوستان کا نقشہ بنایا۔ وہ گیہوں، چاول کے اپجاؤ کھیتوں کے بارے میں بتانے ہی والی تھیں کہ تبھی زینب نے ڈیسک کے پیچھے بیٹھ کر کتے کے بھونکنے کی آواز نکالی...... میڈم کے ساتھ ساتھ سارے بچے اچھل پڑے اور پیچھے دیکھنے لگے، تو زینب ہنستی ہوئی آگے آئی اور بالکل نہیں ڈری، میڈم کی ڈانٹ کا بھی اس پر زیادہ دیر اثر نہیں ہوا۔

زینب کو دراصل پڑھائی میں دلچسپی نہیں تھی، لیکن جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی۔ اسے اپنی غلطیوں پر شرم آنے لگی تھی اور اب وقت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر کافی سدھار آچکا تھا۔ پہلے سمجھ کم تھی تو ڈر نہیں تھا لیکن اب کچھ ڈرنے لگی تھی۔ ایک خوف تھا جو اسے اندر ہی اندر ستا رہا تھا۔ شاید وہ اپنے ماضی سے مطمئن نہیں تھی۔ اس میں احساس کمتری بھی پیدا ہو چکا تھا۔ اسے اپنی کمزوریوں کا پتہ تھا۔ کیونکہ جو بچے ابتدا میں پڑھائی نہیں کرتے۔ سنجیدگی سے اپنے کاموں کو انجام نہیں دیتے۔ ان کے لیے ٹیچرس کے دل میں بھی پیار نہیں ہوتا۔ ایسے بچوں کو اپنی عزت اور پہچان بنانے میں بہت وقت لگتا ہے۔ بچپن کی پڑھائی پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ رنگ لاتی ہے۔ ذہین اور محنتی بچے ضرور کچھ نہ کچھ ایسا کر جاتے ہیں جس سے خاندان، قوم، شہر اور ملک کا نام روشن ہوتا ہے۔

زینب کی تو بات ہی الگ تھی خیر! "دیر آید درست آید" آنکھیں کھلیں تو سہی۔ وہ ڈائس پر تقریر کرنے والوں سے بہت

متاثر تھی۔ اس کی کلاس کے کچھ اچھے بچے ہمیشہ اس قسم کے پروگراموں میں حصہ لیا کرتے تھے۔

اسے بھی اسٹیج پر جا کر تقریر یا کسی بھی Presantetion کا بہت شوق تھا، لیکن اس کو کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو اسے یہ ہنر سکھا دے۔ میڈم سادھنا سے اس نے کئی مرتبہ اپنی اس خواہش کا اظہار کیا... لیکن انھوں نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ وہ بس یہی کہہ کر ٹال دیتیں کہ کوشش کرو۔ کوشش کرنے سے سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ زینب کو ایسی سنی سنائی باتوں میں اب کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ ایسی بات نہیں! اس کے اندر Telent تو تھا۔ لیکن اس Telent کو وہ کیسے دکھلائے اور کیسے بتائے۔ بس تھوڑی سی گائڈنس کی ضرورت تھی۔

اس کے والد اکثر اسے بتایا کرتے تھے کہ بیٹا ہم بھی کبھی اسٹیج پر جا کر کچھ بول نہ سکے۔ ہمارے ہاتھ پیر کانپتے اور سرد ہو جاتے۔ جو بولنا چاہتے وہ بھول جاتے اور نہ جانے کیا بول جاتے۔ آخر کار سب کو ہنسا کر رونہار ہو کر کانپتی ٹانگوں سے رسوائی کا ٹیکہ لگا کر اسٹیج سے نیچے اتر آتے اور کئی دن تک خود کو گنہگار محسوس کرتے۔ ہماری نظر میں وہ آدمی بہت قابل ہوا کرتا جو ڈائس پر آکر بے جھجک اپنی بات کہہ دیتا اور لوگ اس کی بات کو بہت غور سے سنتے اور وہ بالکل نہیں گھبراتا۔ دراصل زبان کا ہنر اور انسان کی قابلیت ڈائس پر نظر آتی ہے۔ جسے خطاب کرنا آتا ہے وہ بھرے مجمع کو مخاطب کر کے بے دریغ اپنی بات کہہ جاتا ہے۔ جسے لکھنا آتا ہے وہ اپنی تحریر کے ذریعے لوگوں کے دلوں پر دستک دیتا ہے۔ تحریر کی بہ نسبت تقریر آسان ہے۔ تحریر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور سند کا وجود رکھتی ہے۔

زینب کو پر جوش تقریر کرنے کا جنون سوار تھا، اس کی والدہ نے بتایا کہ بیٹا یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ بس جب تم مائیک ہاتھ میں لو یا ڈائس پر جاؤ تو سامنے والوں کو بیوقوف سمجھ لو! اگر تم نے یہ سوچا کہ یہ سب لوگ بہت قابل ہیں اور تمہارے اوپر نظر رکھے ہوئے ہیں، کمی نکالیں گے، مذاق اڑائیں گے یا کم علم سمجھیں گے تو تم کتنی بھی اچھی تیاری کیوں نہ کر لو، بول نہ سکو گی۔ بس پھر کیا تھا۔ کہتے ہیں نہ ماں کی آغوش مدرسے سے کم نہیں ہوتی۔ والدہ کے یہ جملے زینب کے ذہن میں نقش ہو گئے۔ اب وہ بلا جھجک اسٹیج پر جا کر بولتی ہے۔ اپنی بات اعتماد کے ساتھ کرتی ہے۔ لیکن سمجھ تو عمر گذر جانے کے بعد ہی آتی ہے۔ کم بولنا ہر لحاظ سے فائدہ مند ہے۔ حدیث ہے۔ من صمت نجا... یعنی جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

ایک دن زینب نے اپنی اس کامرانی کا راز کالج کے ایک بڑے مجمع کے سامنے اگل دیا کہ میں جس وقت بولنا شروع کرتی ہوں۔ اپنے سامنے بھرے مجمعے کو بے وقوف سمجھتی ہوں اور یہ تصور کر لیتی ہوں کہ میرے سامنے بیوقوفوں کی بھیڑ ہے اور میں ہی سب سے زیادہ سمجھدار ہوں۔ زینب کی زبان سے یہ جملے نکلتے ہی سب سے پہلے تو پرنسپل صاحب باہر نکل گئے۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے سارے ٹیچرس وہاں سے غائب ہو گئے۔ دو چار اسٹوڈینٹس بیٹھے تھے وہ بیوقوف تو تھے نہیں کہ بیٹھے رہتے لہٰذا وہ بھی رفو چکر ہو گئے۔ اب زینب کو احساس ہوا کہ یہ کیا بات کہہ دی میں نے۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ نا سمجھی نے تصویر کا رخ ہی پلٹ دیا۔ سارا ٹیلنٹ خاک میں مل گیا۔ سمجھداری اسی میں ہے کہ "پہلے تو لو پھر بولو۔"

■

Dr. Zeba Naz
Nai Basti Bada Shah Safa
Moradabad - 244001 (UP)
Mob.: 9634191717

نگہبان

حبیب اللہ ناصر

بات پرانی زمانے کی ہے۔ کسی علاقے میں چرواہے کا ایک خاندان آباد تھا جو بھیڑوں کو چرا کر اپنا گزر بسر کیا کرتا جس کے ریوڑ میں سیکڑوں بھیڑیں تھیں۔ آزاد کھلی فضا اور وسیع چراگاہ میں رہنے سے زیادہ تر بھیڑیں کافی صحت مند تھیں۔

چرواہا کبیر جب فرصت میں ہوتا تو بھیڑوں کے اس ریوڑ کو بڑے فخر سے دیکھا کرتا۔ نظروں ہی نظروں میں انھیں شمار کرتا اور اس بات پر خوش ہوتا کہ انھیں جب وہ عید قرباں یا حج کے موسم میں فروخت کرے گا تو اسے اتنی رقم تو ضرور مل جائے گی جس سے وہ سال بھر کی ضروری اشیا خرید سکے گا۔

جولائی کا مہینہ تھا۔ زمین تپ رہی تھی، آسمان آگ برسا رہا تھا۔ سڑکوں پر اکا دکا لوگ گزر رہے تھے۔ کبیر نے اپنے ریوڑ کو سڑک کے کنارے ایک جگہ روکا تاکہ اسے اور بھیڑوں کو آرام مل سکے۔ اچانک مشرق سے آسمان پر بادلوں کے قافلے آنے شروع ہو گئے۔ کبیر ان کو دیکھ کر کافی خوش تھا کہ اب ضرور بارش ہوگی۔ پھر تو ہر طرف ہریالی چھا جائے گی اور بھیڑوں کے لیے چارے کا بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

پھر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں اور بارش کے موٹے موٹے قطرے تیزی سے زمین پر گرنے لگے۔ پہلے تو لگاتار کئی گھنٹے تک بارش ہوئی اس کے بعد ہلکی بارش کا دور شروع ہوا۔

چوتھے روز جب بارش تھمی تو ہر طرف جل تھل تھا۔ چراگاہ کی جگہ پانی میں ڈوبی ہوئی تھی جسے خشک ہونے میں کئی روز درکار تھے۔ کبیر نے کچھ سوچا اور پھر اپنے ریوڑ کو لے کر ایسے علاقے میں چلا گیا جہاں بارش کم ہوئی تھی لیکن یہ جگہ پتھریلی اور سخت تھی۔ یہاں سبزے کی بھی کمی تھی۔ دو تین ہفتے تک وہ یہاں قیام کر سکتا تھا۔

جب شام ہونے کو آئی تو ایک بڑے پتھر کے پیچھے اس نے تمام بھیڑوں کو ٹھہرایا اور خود بھی اپنے بیٹے کے ساتھ ستانے لگا۔ جب اندھیرا چھانے لگا تو ایک مضبوط ڈنڈا اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دوسرا ڈنڈا اپنے بیٹے مجید کو دیتے ہوئے کہا۔

”مجید! یہ ڈنڈا سنبھال کر رکھو اور اس پیڑ کے قریب جا کر بیٹھ جاؤ۔ میں یہاں اس پیڑ کے نیچے بیٹھ کر بھیڑوں کی نگہبانی کروں گا۔ خبردار! رات کے وقت سونا نہیں۔ ورنہ جنگلی جانور ہمارے ریوڑ پر حملہ کردیں گے۔ تو سال بھر کی محنت رائیگاں چلی جائے گی۔“

”جی بہت اچھا۔“ مجید نے مختصر جواب دیا۔ میں ویسا ہی کروں گا جو آپ چاہتے ہیں۔“

کبیر نے پھر کہا ”سنو۔“ تم دن میں تھک گئے ہو اس لیے رات کے پہلے نصف میں آرام کرلو اور دوسرے نصف میں میں تمھیں جگا کر آرام کروں گا۔ یہ رہا تمھارا بستر اور پانی کی بوتل۔“

مجید اپنے ابو سے یہ چیزیں لے کر دوسرے پیڑ کے نیچے چلا گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں مضبوط ڈنڈا اور دوسرے ہاتھ میں بستر اور پانی کی بوتل تھی۔

اب کبیر ڈنڈا سنبھال کر مستعد کھڑا تھا۔ اس کی نظریں اپنی بھیڑوں کے ریوڑ پر تھیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ اپنے ڈنڈے کو زمین پر مارتا بھی رہتا تھا تاکہ بھیڑیں مطمئن رہیں اور انھیں اپنے مالک کی موجودگی کا احساس ہو۔

رات کا دوسرا حصہ شروع ہو چکا تھا۔ اچانک فضا میں بھیڑیوں اور گیدڑوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ رات کے سناٹے میں یہ آوازیں کافی ڈراونی معلوم ہوتی تھیں لیکن کبیر ان خوفناک آوازوں کو سننے کا عادی تھا۔ اس کی آدھی زندگی بھیڑیں پالتے ہوئے بسر ہوئی تھی لیکن آج کی بات کچھ الگ تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ آج کوئی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے بیٹے کو جگا لے تاکہ جنگلی جانوروں سے مقابلہ کرنے میں مدد مل سکے مگر کچھ سوچ کر اس نے اسے نہیں جگایا بلکہ تن تنہا ڈنڈا لے کر ریوڑ کے چکر لگانے لگا تاکہ خوف کے وقت ریوڑ میں ہونے والی بھگدڑ کو روک سکے۔ عام طور پر بھیڑیں ایسے موقعوں پر دائیں بائیں بھاگنے لگتی ہیں اور درندوں کا نوالہ بن جاتی ہیں۔

ابھی کبیر کا ایک چکر ہی پورا ہوا تھا کہ اچانک کہیں سے ایک بھیڑیا تیزی سے ریوڑ کی طرف آتا نظر آیا۔ کبیر کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ مجید کو اٹھانے کے لیے آواز بھی دے سکے لیکن اس وقت اس کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اب وہ اپنے اور اپنے ریوڑ کے تحفظ کے لیے پوری طرح مستعد تھا۔ اس نے ڈنڈے کو ہوا میں لہراتے ہوئے بھیڑیے کو نشانہ بنا دیا۔ کبیر کا ڈنڈا ہوا میں اڑتا ہوا بھیڑیے کو جا لگا۔ بھیڑیا اس ناگہانی حملے کے لیے تیار نہ تھا لیکن کبیر نے پھر چستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لپک کر اپنا ڈنڈا اٹھا لیا اور دوسرا وار بھیڑیے کی کمر پر کیا۔ بھیڑیا اس چوٹ کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ ابھی وہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ کبیر نے پے در پے کئی ڈنڈے اسے اور مارے۔ کبیر کا آخری ڈنڈا اس شدت سے بھیڑیے کے سر پر پڑا کہ خون کا فوارہ ابل پڑا اور وہ زمین پر گر کے ایڑیاں رگڑنے لگا۔

اس وقت تمام بھیڑیں ایک دائرے کی شکل میں سمٹ کر کھڑی ہو چکی تھیں گویا اپنے مالک کی بہادری کی داد دے رہی ہوں۔ جس نے ان کے ازلی دشمن سے انھیں نجات دلائی تھی۔

دوسری طرف مجید بھی شور سن کر جاگ گیا تھا۔ وہ بھی اپنا ڈنڈا لہراتا ہوا اس جگہ پہنچا لیکن اس وقت تک بھیڑیے کا کام تمام ہو چکا تھا۔ کبیر نے فوراً اللہ کے سامنے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے جو تمام عالم کا نگہبان ہے۔

■

Dr. Abdul Nasir
C-24, Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

کہانی

بھول

زیب النساء

آسمان میں کالے کالے بادل گھر آئے تھے۔ کچھ دیر بعد موسلا دھار بارش بھی ہونے لگی۔ فاطمہ کو اب راحل کی فکر ستانے لگی کیونکہ وہ ابھی تک اسکول سے گھر نہیں لوٹا۔ ”یا اللہ! کہاں چلا گیا راحل؟“

فاطمہ اسے ڈھونڈنے نکل پڑی۔ اس نے راحل کے سبھی دوستوں کے یہاں جا کر پوچھا۔ سبھی نے کہا کہ راحل تو آج ان کے ساتھ نہیں لوٹا۔ ان کی بات سن کر فاطمہ اور پریشان ہوگئی۔ وہ دکھی دل سے گھر لوٹی تو دیکھا کہ راحل گھر آ چکا تھا۔ اب فاطمہ کی جان میں جان آئی۔ بجائے اسے ڈانٹنے کے وہ اسے دلارتے ہوئے بولی:

”کتنی بار کہا ہے کہ اسکول سے سیدھا گھر آیا کرو۔ پتہ ہے کب سے میں تمھاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ چلو اب جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر آ ؤ۔“ یہ کہتی ہوئی وہ کچن میں چلی گئی۔ راحل بھی ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ پلیٹ میں اپنی پسند کی چیزیں دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہوئے بولا:

”ارے واہ اماں! آج تو تم نے ساری چیزیں میری پسند کی بنائی ہیں۔“

بیٹے کی بات سن کر فاطمہ بولی: ”آج تمھاری سالگرہ ہے نا؟“ یہ کہتے ہوئے اس نے راحل کو پیسے دیے۔ راحل پیسے جیب میں رکھتے ہوئے بولا ”اماں ابا ابھی مجھے سالگرہ پر تحفہ

کھیں دیتے۔"

راحل کی بات سن کر فاطمہ نے جواب دیا "تمھیں تو ہمیشہ سے ہی عائشہ کی فکر رہتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ برتن سمیٹنے لگی۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر راحل عائشہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ عائشہ گہری نیند سو رہی ہے۔ اسے شرارت سوجھی۔ اس نے پلنگ کے نیچے سے کھلونوں سے بھری ٹوکری اٹھا کر باہر پلنگ کے پیچھے چھپا دی اور پھر اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے والد دکان سے لوٹے۔ انھوں نے فاطمہ سے پوچھا "عائشہ نے کھانا کھا لیا کیا؟"

"ہاں کھا لیا۔" فاطمہ نے غصے میں جواب دیا۔

اگلی صبح عائشہ نے دیکھا کہ پلنگ کے نیچے سے اس کے کھلونوں سے بھری ٹوکری غائب ہے۔ وہ گھبرا گئی، بیساکھی کے سہارے کمرے کے باہر آئی۔ وہ پلنگ کے قریب گئی تو دیکھا کہ ٹوکری پوری طرح بھیگ چکی تھی۔ وہ رنجیدہ ہوئی۔ راحل نے ایک بار پھر اس کی ساری محنت مٹی میں ملا دی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ابا نے اسے روتے دیکھ کر پوچھا "کیا ہوا عائشہ؟ کیوں رو رہی ہو؟" بابا وہ دیکھیے عائشہ نے ٹوکری کی طرف اشارہ کیا۔

"بابا، دیکھیے نا یہ شرارت راحل کی ہے۔"

انھوں نے اسی وقت راحل کو بلا کر خوب ڈانٹ لگائی اور کہا "بہن کا سہارا بننے کے بجائے تم اس کی محنت پر پانی پھیر دیتے ہو۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔"

یہ بات یہیں ختم ہو گئی مگر فاطمہ کو دن بھر اس بات کا ملال رہا کہ ذرا سی شرارت پر انھوں صاحب نے راحل کو اتنا ڈانٹا۔ بس پھر کیا تھا، اس خیال نے اسے عائشہ کے سامنے پہنچا دیا اور عائشہ کو خوب برا بھلا کہا۔

دراصل فاطمہ، بیٹی سے زیادہ اپنے بیٹے پر توجہ دیتی تھی۔ اس دن جو بھی ہوا اس کے بارے میں عائشہ دل ہی دل میں سوچنے لگی "کاش اوپر والے نے مجھے اپاہج نہ بنایا ہوتا۔ میں بیٹی کے روپ میں پیدا ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟" یہ سوچتی ہوئی وہ کھڑکی کے پاس آئی تو اسے بابا کی وہ بات یاد آ گئی جب انھوں نے راحل سے کہا تھا کہ مجبور بہن کا سہارا بنو۔ آج ان لفظوں نے عائشہ کو احساس کرا دیا کہ اس کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کی زندگی گھر والوں پر بوجھ بنتی جا رہی ہے۔ بس اب اس نے اسی وقت طے کر لیا کہ مستقبل میں وہ کسی پر بوجھ نہیں بنے گی۔

ابھی وہ اپنی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اچانک اسے ماسی کے 'روشن سینٹر' کی یاد آ گئی۔ "اوہ، میں بھی کتنی بے وقوف ہوں۔ میری منزل تو میرے قریب ہے اور میں سوچ ہی رہی ہوں کہ کیا کروں؟"

شام کو بابا گھر لوٹے تو اس نے اپنے دل کی بات انھیں بتا دی۔ انھوں نے خوشی خوشی اجازت دے دی اور خود فاطمہ کے پاس جا کر بولے "ہم راحل کی ساری خواہشیں پوری کر رہے ہیں۔ سوچتے ہیں کہ پڑھ لکھ کر وہ قابل بن جائے تو ہمارا سہارا بنے گا لیکن نہ جانے کیوں مجھے ابھی سے اس کا رویہ دیکھ کر لگتا ہے کہ آگے چل کر ہمیں بڑا رلائے گا۔ ایک ہماری بیٹی ہے جس کو اپنے مستقبل کی فکر ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں۔ آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" فاطمہ نے شوہر کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو انھوں نے عائشہ کی ساری بات بتا دی اور کہا "کل سے عائشہ ماسی کے سینٹر جائے گی اور تم اسے وہاں جانے سے منع نہیں کرو گی۔"

شوہر کی بات سن کر فاطمہ بولی "عائشہ اتنا پڑھ تو چکی

ہے۔ اب یہ کون سی نئی بات سوجھی ہے اسے؟"

بیوی کی بات سن کر امین صاحب بولے "جانتی ہو علم اور ہنر آدمی کو اعلیٰ بنا دیتا ہے۔ بیٹی کی صلاحیتوں کو بھی پہچانو۔ تم تو جانتی ہو ہماری عائشہ کو اللہ نے کھلونے بنانے کا کتنا بڑا ہنر دیا ہے۔" یہ کہہ کر امین صاحب اپنے کام میں لگ گئے۔

اگلی صبح عائشہ کی نیند ٹوٹی تو سب سے پہلے اس نے یہی دعا مانگی "یا رب! مجھے ہمت اور حوصلہ دینا۔ آج میں جہاں جا رہی ہوں وہاں جا کر اپنے ہنر کے ذریعے اپنی الگ پہچان بنا سکوں۔"

پھر اپنی ماں کے ساتھ سینٹر چلی گئی۔ مانسی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور بولی "زنگ لگ کر برباد ہونے کے بجائے محنت کرتے ہوئے گھس گھس کر ختم ہو جانا کہیں اچھا ہے۔ چیونٹی کو دیکھو، اس کی محنت کو دیکھو۔"

مانسی کی باتیں سن کر عائشہ نے طے کر لیا کہ کچھ بھی ہو جائے اسے آگے بڑھنا ہے۔ پیچھے مڑ کر اب نہیں دیکھنا۔

گزرتے وقت کے ساتھ ایک دن اس کی زندگی نے نیا موڑ لیا اور یہ موڑ تھا سینٹر کی باقی لڑکیوں کو کھلونے بنانا سکھانا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ایک دن گاؤں میں میلا لگا۔ میلے میں مانسی نے اس کے ہاتھ کے بنے کھلونوں کی دکان لگائی۔ جانتے ہیں، شام ہونے تک صرف اسی کے اسٹال کا چرچہ ہوتا رہا۔ ہر ایک کی زبان پر عائشہ کے کام کی تعریف تھی اور تو اور جتنی بھی آمدنی اس روز ہوئی تھی، مانسی نے وہ سب عائشہ کو دے دی۔ اپنی محنت کا پھل پا کر وہ بہت خوش ہوئی اور اب اس کے دل سے یہ احساس بھی جاتا رہا کہ وہ ایک اپاہج لڑکی ہے۔ محنت اور لگن نے اسے ایک نیا جہان دے دیا تھا۔ وقت گزرتا رہا اور آج اسے اپنی محنت کا پھل تنخواہ کے روپ میں مل رہا تھا۔ وہ سارے روپے ایک ڈبے میں جمع کرتی جا رہی تھی۔

کچھ ہی دنوں بعد راحل کا رزلٹ آیا۔ معلوم ہوا وہ فیل ہو گیا ہے۔ فاطمہ نے اپنا سر پیٹ لیا۔ ادھر امین صاحب بھی مغموم تھے۔ اکلوتے بیٹے کے بارے میں انھوں نے کیا کیا خواب دیکھے تھے مگر وہ بیٹا اپنی لاپرواہیوں کے آگے اپنے والدین کے دل کی بات سے انجان رہا۔

پھر ایک دن اس نے غلط حرکت کی۔ وہ یہ کہ اس نے اپنے ہی گھر میں چوری کر لی۔ اس کی امی نے جب اپنا بٹوہ دیکھا تو اس سے سارے روپے غائب تھے۔ پوچھ تاچھ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حرکت کسی اور کی نہیں ان کے خود کے اکلوتے بیٹے کی ہے۔ اب تو نہ پوچھیے فاطمہ کے دل کا حال۔ وہ کچھ کہتی، اس سے پہلے عائشہ نے گلک نکال کر ان کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے کہا "امی آپ کیوں فکر کرتی ہو۔ میں ہوں نا آپ کے ساتھ۔"

عائشہ کی بات سن کر فاطمہ کا چہرہ آنسوؤں کی نمی سے بھیگ گیا۔ اسے اس طرح روتا دیکھ کر امین صاحب بولے "اولاد سے محبت کرنا اچھی بات ہے مگر ان کی غلطیوں کو چھپانا ہی ان کو راہِ راست سے بھٹکاتا ہے۔ اب پچھتانے سے کیا حاصل۔ بس اتنا جان لو اس سے جو بھول ہو گئی ہے اگر وہ اسے ٹھیک نہیں کر پایا تو وہ ایک اور بھول کر رہا ہے۔"

اتنا سننا تھا کہ فاطمہ بول اٹھی "میں اپنے بیٹے کی محبت میں اندھی ہو گئی تھی۔ اس کی ہر غلطی پر پردہ ڈالتی رہی۔ پر آج مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے، اور اب میں دل سے کہتی ہوں کہ کاش میری دو بیٹیاں ہوتیں۔"

■

Zebunnisa
A-1, 4th Floor, M.M. Apartment
Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9718042178

خواب پرانے

جاوید کنول

کیا خواب انسان کے سو جانے کے بعد اس کے شعور کی بیداری کا نام ہے۔۔۔؟ یعنی خواب انسانی شعور میں اس کی سوچ، فکر اور حالات تمثیلی شکل میں اس کے سامنے ظاہر ہونے کا نام ہے؟ کئی بار انسان جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے وہ سچ ہو جاتا ہے۔۔۔ تو کیا خواب سچے ہوتے ہیں اور انسان کو خبر پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔۔۔؟ یا پھر خواب کی صرف وہم و گمان سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں۔۔۔؟ کیا خواب صرف سونے کے بعد ہی دیکھے جا سکتے ہیں یا پھر جاگتی آنکھوں سے بھی خواب نظر آتے ہیں۔۔۔؟

ہم جو کچھ اپنی گزری ہوئی زندگی میں دیکھ اور کر چکے ہیں کیا ان یادوں کو ہم جاگتی آنکھوں کے خواب کہہ سکتے ہیں۔۔۔؟ کیونکہ یادیں بھی تو گزرے ہوئے وقت کے حالات اور سوچ کا آئینہ ہوتی ہیں۔۔۔؟

"پاپڑ ے۔۔۔پاپڑ"

پورے کمپارٹمنٹ میں اس آواز کی گونج سنائی دی۔۔۔ریل گاڑی اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ ریل کی پٹڑیوں پر دوڑنے کی وجہ سے ایک الگ سا شور سنائی دے رہا تھا۔۔۔ تیز رفتار سے دوڑتی ہوئی ریل گاڑی جب پٹڑی بدلتی تو کھٹر پٹر کا شور تیز ہو جاتا اور ریل کی رفتار بڑھ جاتی۔۔۔ کچھ مسافر کمپارٹمنٹ کی اوپر والی برتھ پر لیٹے ہوئے تھے، کچھ سو رہے تھے، کچھ نیچے کی سیٹوں پر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔۔۔ کچھ لوگ کھانا کھا رہے تھے اور کچھ اخبار و رسالے پڑھ رہے تھے۔۔۔

کمپارٹمنٹ میں موجود بچے کھڑکی کی جالیوں پر منہ لگائے باہر دیکھ رہے تھے۔۔۔ریل گاڑی کے سفر کے دوران ہر بچے کی یہ جستجو ہوتی ہے کہ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھے۔۔۔ اگر بھیڑ یا کسی اور وجہ سے انھیں کھڑکی کے نزدیک جگہ نہیں ملتی تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں اور اس کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ کسی صورت وہ کھڑکی کی جگہ حاصل کر لیں۔۔۔ کھڑکی کی جالیوں سے منہ لگائے بچے باہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔۔۔ انھیں یہ دیکھ کر کچھ حیرانی ہو رہی تھی کہ ٹرین جس رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے۔ باہر نظر آ رہے سبھی پیڑ، جھاڑیاں، کھیت اور عمارتیں اتنی ہی رفتار سے پیچھے بھاگ رہی ہیں۔۔۔؟

کبھی کبھی جب کوئی موڑ آتا اور ریل گاڑی تھوڑا مڑتی تو کھڑکی سے ریل کا انجن اور پیچھے کے سبھی ڈبے نظر آتے۔۔۔ بچے یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔۔۔ بھاپ اور دھواں چھوڑتا انجن تیزی سے ڈبوں کو بھگائے لیے جاتا۔۔۔ کھڑکی سے منہ لگائے بچوں کے چہروں پر انجن سے نکلنے والے کالے دھوئیں کی گرد جم جاتی اور کئی بار کوئلے کے باریک ٹکڑے جو دھوئیں کے ساتھ اڑتے آتے تھے، ان کی آنکھوں میں چلے جاتے اور جب بچے آنکھیں ملتے تو وہ لال ہو جاتیں، ان سے پانی ٹپکنے لگتا لیکن اس تکلیف کے بعد بھی کھڑکی کے پاس بیٹھنے اور باہر دیکھنے کے ان کے شوق میں کمی نہ آتی۔۔۔

"پاپڑ ے۔۔۔پاپڑ"

پاپڑ بیچنے والے نے پھر آواز لگائی۔ ایک مسافر نے جیب سے دو روپے کا لال رنگ کا نوٹ نکالا اور پاپڑ والے کو دیا۔ پاپڑ والے نے اپنی ٹوکری نیچے فرش پر رکھی اور اس میں سے ایک گول پاپڑ نکالا، پھر اسی ٹوکری سے نمک کی چھوٹی سی ڈبی نکالی اور ہاتھ میں پکڑے پاپڑ پر مصالحہ چھڑک کر اسے مسافر کو دے دیا۔

ہے اور اس پر تھوڑی سی لالی چھائی ہوئی ہے — پاپڑ کی خوشبو اور رنگ روپ دیکھ کر کئی بچے اپنے ماں باپ سے پاپڑ لینے کی ضد کرنے لگے، کچھ مسافروں نے اپنے بچوں کو پاپڑ خرید کر دیے، کچھ نے انھیں سمجھایا اور کچھ نے اپنے بچوں کو جھڑک دیا —

ریل گاڑی ابھی ابھی پلکھوا ریلوے اسٹیشن پر رک کر آگے بڑھی تھی۔ غالباً وہیں سے یہ پاپڑ والا ریل گاڑی میں چڑھا تھا اور اس کی آمد کا مطلب تھا کہ اب کچھ ہی دیر میں ہاپوڑ کا اسٹیشن آنے والا ہے، کیونکہ ہاپوڑ کے پاپڑ بہت مشہور تھے۔ پاپڑ کے علاوہ ہاپوڑ کی پوری و آلو کی سبزی کا ڈبہ جو پانچ روپے کا آتا تھا، مشہور تھا — پانچ روپے اس وقت ایک بڑی رقم بھی جاتی تھی جس کا یوں ہی خرچ کرنا دشوار ہوتا تھا — اکثر مسافر اپنے گھروں سے کھانا لے کر جاتے تھے۔ کوئی آلو کے پراٹھے لاتا، کوئی پوری آلو کی سبزی، کوئی روٹی و اچار — لیکن بچوں کو تو ریل گاڑی میں اور اسٹیشن پر بکنے والی چیزوں کو خریدنے اور کھانے کا شوق ہوتا۔

ہم جب امروہہ سے دلی جاتے تو ہمیں دلی جانے سے زیادہ خوشی ریل گاڑی دیکھنے، اس میں بیٹھنے اور ہاپوڑ میں پوری کا ڈبہ لینے کی ہوتی — اس کے لیے گھر ہی سے امی کو منانے کی کوشش شروع ہو جاتی اور وعدہ لیا جاتا لیکن پھر بھی یہ خدشہ بنا رہتا کہ عین موقع پر کہیں وہ اپنے وعدے سے مکر نہ جائیں — ؟ ریل گاڑی کے ہاپوڑ پہنچتے ہی بے تابی سے مطالبہ ہوتا اور پیسے مل جانے کے بعد گال کھڑکی پر ٹکا کر باہر کی جانب دیکھنے لگتے — کیونکہ ریل سے باہر اسٹیشن پر اترنے کی اجازت نہ ہوتی — آنکھیں پوری والے کو یوں تلاش کرتیں گویا کوئی پیاسا صحرا میں پانی ڈھونڈ رہا ہو — ڈبے والے کو دیکھ کر فوراً اسے آواز دے کر بلاتے اور پیسے دے کر ڈبے کو مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتے کہ کہیں لیتے وقت وہ ہاتھ سے نیچے پٹری پر نہ جا گرے — اس ڈبے میں آٹھ پوریاں اور آلو کی سبزی موجود ہوتی جسے کھا کر روح کو وہ سکون حاصل ہوتا جس کا بیان کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا اس کائنات کی حقیقت کو سمجھنا —

آج بھی ہم ریل گاڑی کا سفر کرتے ہیں لیکن بچپن اور اب کے وقت میں بہت فرق ہے — آج بھی ریل گاڑی میں کھانے کی چیزیں بیچنے والے آتے ہیں بلکہ پہلے کے مقابلے زیادہ ہیں لیکن ان کی باسکیٹ میں چپس، کولڈ ڈرنک، چاکلیٹ بسکٹ، پیٹز ہوتے ہیں — اسٹیشنوں پر پوری، سبزی کے بجائے سموسے، بریڈ پکوڑے، فاسٹ فوڈ ملنے لگے ہیں اور ریل گاڑی میں بھیڑ کا عالم نہ پوچھیے — ؟ خدا کی پناہ یوں معلوم ہوتا ہے گویا ساری دنیا کہیں جانے کے لیے اسٹیشن پر آ گئی ہے۔ ریل گاڑیوں میں اتنی زیادہ بھیڑ ہوتی ہے کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ سفر کرنا ایک جنگ کی طرح ہے — کئی بار تو بھیڑ کی وجہ سے ریل میں چڑھنے کا بھی موقع نہیں مل پاتا — ؟ جتنی ریل گاڑیاں بڑھ گئی ہیں اس سے زیادہ بھیڑ ہو گئی ہے — ؟

ہم نے کوئلے کے انجن دیکھے، ڈیزل انجن اور الیکٹرک انجن بھی دیکھے — ہمارے بچے تو کوئلے کے انجن صرف عجائب گھروں میں جا کر ہی دیکھ سکتے ہیں — شکر ہے خدا کا اب بھی ہماری آنکھوں میں یادوں کے خواب بسے ہیں — جو ہمارے دل و ذہن کو شاداب کرتے ہیں۔

■

Yawar Kafeel
Moh - Lal Masjid, Amroha
Distt - Amroha 244221 (UP)
Mob : 9058677019

کہانی

ہمت مرداں مدد خدا

محمد علیم اللہ

ڈاکٹر بانو سرتاج (پ: 17 جولائی 1945) کا تعلق مہاراشٹر سے ہے۔ انھوں نے ہندی، اردو اور تاریخ میں ایم اے کیا ہے۔ تدریس سے وابستہ رہی ہیں اور پرنسپل کی حیثیت سے انھوں نے خدمات انجام دی ہیں۔ بانو سرتاج ادب اطفال کا ایک اہم نام ہیں۔ انھوں نے کہانیاں، ڈرامے، انشائیے، مضامین کے علاوہ ترجمے بھی کیے ہیں۔ مختلف موضوعات پر بڑوں کے لیے 24 سے زائد کتابیں ہیں، تو بچوں کے لیے ان کی تصنیفات کی تعداد 66 سے زائد ہے۔ انھیں مختلف اعزازات مل چکے ہیں۔ 2015 میں ساہتیہ اکادمی نے انھیں بال ساہتیہ پرسکار سے سرفراز کیا تھا۔ ان کی اہم کتابوں میں سمندر کا سفر، خدا کی غذا، بچوں کے لیے یک بابی ڈرامے، جنگل میں منگل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بچوں کے ادب پر 'معماران اردو ادب اطفال' ان کی حوالہ جاتی کتاب ہے۔

عائشہ بار بار توجہ ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ نظر دیوار سے ہٹا کر میز پر رکھی کتاب پر مرکوز کرنے کی کوشش کرتی، لیکن ایک نامعلوم طاقت اسے دیوار کو دیکھنے کے لیے مجبور کر دیتی وہ بار بار وہیں دیکھنے لگتی۔ دیوار پر تھا کیا؟ ایک بدنما اور گھنونی سی چھپکلی؛ ایک بے ضرر مگر ننھے سے پتنگے کو لقمۂ تر بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

پتنگا کبھی یہاں سے اڑ کر وہاں اور وہاں سے اڑ کر یہاں ایک جگہ سے دوسری جگہ بیٹھ جاتا۔ گھات لگائے بیٹھی چھپکلی اس پر حملہ کرتی مگر اس سے پہلے کہ وہ پتنگے کو منھ میں سمیٹے، وہ جھانسا دے کر تھوڑی دور جا کر اسی دیوار پر بیٹھ جاتا۔ چھپکلی توپ کی طرح پھرتی سے لپکتی مگر پتنگا اسی پھرتی کے ساتھ چھپکلی کو جھانسا دے جاتا اور اڑ کر دیوار کے دوسرے کونے میں جا بیٹھتا۔

'اب تو گیا کام سے' عائشہ چیخی۔ بالکل چھپکلی کے منھ کا گراس بننے ہی والا تھا وہ نڈر اور بہادر پتنگا۔ پل بھر کو لگا کہ وہ گیا چھپکلی کے پیٹ میں، لیکن بچ گیا، اب کی ایک مرتبہ پھر پتنگا جھانسا دے گیا تھا۔ وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی، بے چاری

کہانی

چھپکلی کی کئی کوششیں بیکار گئیں۔ کامیابی سے بہت دور، لیکن امید کی کرن ابھی بھی باقی تھی۔ ''کتنا بھاگو گے بیٹے۔'' اسے لگا چھپکلی پتنگے کو چیلنج کر رہی تھی۔

وہ سوچنے لگی: ''میں بھی تو کوشش کر رہی ہوں برسوں سے، لیکن کامیابی جیسے میرے مقدر میں لکھی ہی نہیں۔'' ماریہ ہر بار بازی مار جاتی ہے۔ وہ اس خیال کو ذہن سے جھٹک دینا چاہتی تھی لیکن وہ اس کے ذہن و دماغ میں جیسے چپک گیا تھا۔ وہ اور گلناز پہلی جماعت سے ہی ساتھ میں پڑھ رہی تھیں۔ پکی سہیلیاں بھی تھیں۔ ایک ہی بینچ پر ساتھ بیٹھتی اور لنچ بھی ساتھ ہی کرتی، ہم نوالہ ہم پیالہ، اسکول اور کبھی کبھی گھر کا کام بھی دونوں ساتھ مل کر کرتے، مگر مقابلے کی دیوار جو پہلی جماعت سے کھڑی ہوئی، وہ اب تک برقرار تھی۔

وہ اس خیال کو اپنے ذہن سے نہیں نکال پائی تھی کہ ماریہ ہر مرتبہ اس سے آگے کیوں نکل جاتی ہے۔ ماریہ ہمیشہ ہی بازی مار لے جاتی۔ ماریہ فرسٹ آتی تو عائشہ سیکنڈ۔ بمشکل دو یا تین نمبرات کا فرق ہوتا۔

چوتھی جماعت تک ایسا ہی رہا۔ ماریہ فرسٹ تو عائشہ سیکنڈ۔ عائشہ بہت کوشش کرتی، پڑھائی میں دن رات ایک کر دیتی مگر، ماریہ نے تو جیسے فرسٹ آنے کے لیے ہی اس دھرتی پر جنم لیا تھا، وہ کئی مرتبہ سوچنے لگ جاتی۔ اسے یاد آیا چوتھی جماعت کے بعد تو وہ لگ بھگ ناامیدی کی آغوش میں ہی چلی گئی تھی اور پانچویں کے سالانہ امتحانات میں تیسری پوزیشن پر کھسک گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ امید سے آسمان ٹکا ہے، لیکن جب امید کی ڈور ٹوٹ جائے تو آسمان بھی ڈھ کر گرنے لگتا ہے، مایوسی کی ایک لہر اس کی روح کے اندر تک اتر گئی۔

اس کی نظر ایک مرتبہ پھر پتنگے پر پڑی جو تھوڑی دور مخالف سمت میں بیٹھا تھا۔ چھپکلی عقاب کی طرح تیزی سے چلی اور نشانہ سادھنے لگی۔ اسے لگا اب کی بار نشانہ خطا نہیں کرے گا۔ جس طرح بگلا تالاب کے کنارے مچھلی پکڑنے کے لیے ایک ٹانگ اٹھائے چپ چاپ خاموش بظاہر آنکھ بند کیے ہوئے لیکن نگاہ اپنے شکار پر جمائے رہتا ہے بغیر پلک جھپکے، چھپکلی کی بھی وہی حالت تھی۔

عائشہ پھر ماضی کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گئی۔ چھٹی جماعت میں وہ بھی اسی طرح منہمک ہوئی تھی۔ صرف پڑھائی اور پڑھائی کے لیے، امی سے کتنی ڈانٹ سننی پڑی تھی، اسے، اسے پہلی مرتبہ محسوس ہوا تھا کہ محنت کا پھل ضائع بھی جاتا ہے۔ ماریہ سے زیادہ نمبر لانا اس کی حسرت ہی رہ گئی تھی۔ اسے یاد آیا وہ سیکنڈ ہی آسکی تھی اور آٹھویں جماعت میں تو وہ تیسری پوزیشن پر آگئی تھی۔ دوسری پوزیشن نرگس کی تھی۔ تیسری پوزیشن! بھیا نے کتنا مذاق بنایا تھا اس کا اف خدایا! اسے یاد آیا اس نے بے اختیاری میں زور سے میز پر مکا مارا

اور درد سے بلبلا اٹھی۔

ادھر دیوار پر پتنگا چھپکلی کے دو حملے بچا چکا تھا۔ "یہ پتنگے بھی کتنے بیوقوف ہوتے ہیں"، وہ بڑبڑائی۔ "جب معلوم ہے کہ چھپکلی بار بار حملہ کر رہی ہے تو کیوں اسی دیوار پر مرنے کے لیے بے قرار ہے۔ کہیں اور کیوں نہیں چلا جاتا؟"۔ میں جب ڈاکٹر بنوں گی تو ضرور پتنگوں کے دماغ پر ریسرچ کروں گی۔ شکاری کے سامنے بار بار جانا جس کے ہاتھ میں بندوق ہو، انتہائی احمقانہ حرکت ہے کہ نہیں؟" وہ سوچنے لگی۔ یہ سب سوچنے میں وہ مصروف ہی تھی کہ اس نے دیکھا، چھپکلی چھلانگ لگا کر دھپ سے زمین پر گری تھی، اس کے منہ میں پتنگا تھا جو خود کو چھڑانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن ایک مرتبہ شکار پکڑ میں آجائے تو آسانی سے ممکن کہاں ہوتا ہے!۔ دسویں کوشش میں آخر چھپکلی کو کامیابی ہاتھ لگ ہی گئی تھی۔

وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔ "جب چھپکلی کامیاب ہو سکتی ہے تو کیا میں دسویں کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتی؟"۔ نویں جماعت میں اس کے اور ماریہ کے درمیان محض 1 نمبر کا فاصلہ تھا، ماریہ کو 570 اور اسے 569 نمبر ملے تھے۔ "چھپکلی کو دسویں کوشش میں کامیابی مل سکتی ہے تو مجھے؟ مجھے کیوں نہیں؟" ایک مرتبہ پھر وہ مسکرائی، امید کی کرن اندر تک سرایت کر گئی تھی۔

اسے دادا جی کا قول یاد آگیا جو اکثر اس سے کہا کرتے تھے۔ "بیٹا ہمت مرداں مدد خدا ہوتی ہے، کسی بھی کام کے لیے ہمت ضروری ہے، یہ ہو تو آدھا مسئلہ تو ایسے ہی حل ہو جاتا ہے، سو پریشان مت ہوا کرو، ہمت بزدل ہارتے ہیں، بہادر تو تاریخ رقم کرتے ہیں۔"

اسے لگا جیسے کوئی غیر مرئی قوت اس کے اندر در آئی ہے۔ وہ ایک دم بستر سے چھلانگ لگا کر نیچے اتری اور اپنی ڈائری میں لکھا۔ میں بھی جیتوں گی مجھے کوئی نہیں ہرا سکتا۔ دسویں جماعت، دسویں کوشش! مجھے اول آنا ہی ہے، ماریہ کو پیچھے رہنا ہی ہوگا۔ اب تک آگے تھی وہ، مگر اب نہیں، بالکل نہیں۔" آگے اس نے تاریخ سترہ جنوری 2022، رانچی، جھارکھنڈ رات بارہ بجے رقم کر کے، اپنے دستخط ثبت کیے اور ڈائری بند کر دی۔

ٹھیک ایک سال بعد عائشہ کا وقت تھا، ڈی ڈی نیوز پر امتحان کے نتیجے کا اعلان ہو رہا تھا۔ پورے ہندوستان میں اول نمبر سے کامیاب، ایک بچی نے کیا جھارکھنڈ کا نام روشن! چھپکلی پتنگے کو نگل چکی تھی، عائشہ بھی ماریہ کو پیچھے چھوڑ چکی تھی۔ پورے ملک میں وہ اول مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ شہر ہی نہیں، سارے ملک میں اسی کا چرچا تھا۔

محنت، جدوجہد، کوشش اور یقین، وہ جنگ جیت گئی تھی۔

عائشہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور اس دیوار کا جہاں چھپکلی نے پتنگے کو شکار بنایا تھا، اور دادا کی وہ تصویر جو سامنے ہی فریم میں لگی تھی، شکریہ ادا کیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے خوشی اور غم دونوں کے آنسو۔ آج اس خوشی کے موقع پر اس کے دادا نہیں تھے جو اس سے کہا کرتے تھے۔ "بیٹا! ہمت مرداں مدد خدا ہوتی ہے، اس لیے ہمیشہ ہمت سے کام لینا، کبھی بھی حالات سے نہ ڈرنا اور نہ گھبرانا" دادا کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرانے لگی۔

■

Mohd Alamullah
Research Scholar,
KR Narayanan Centre for Dalit &
Minority Studies, Jamia Millia Islamia
New Delhi 110025
Mob.: 9911701772

کہانی

ہمدردی

نصیر رمضان

نصیر رمضان کا تعلق پنجاب کے ادبی شہر مالیرکوٹلہ سے ہے۔ یہیں کے گورنمنٹ کالج سے انھوں نے گریجویشن کیا ہے۔ نئی نسل کے نمائندہ نثر نگار ہیں۔ ادب اطفال سے گہری وابستگی ہے۔ ان کا ایک افسانوی مجموعہ تھوڑا سا آسمان کے عنوان سے منظر عام پر آچکا ہے جس میں بچوں کی کہانیاں بھی شامل ہیں۔ ان کہانیوں میں انھوں نے اخلاقیات کے علاوہ دوسرے اہم سماجی مسائل کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔

عیان اور عقیل دونوں بھائی تھے۔ عیان دس سال کا اور عقیل کی عمر سات کی تھی۔ دونوں شہر کے معروف اسکول، الفلاح پبلک اسکول میں پڑھتے تھے۔ عیان پانچویں اور عقیل تیسری کلاس میں تھا۔ دونوں بھائیوں میں خوب نبھتی تھی۔ جہاں عیان، عقیل کے بغیر سانس بھی نہیں لیتا تھا وہیں عقیل بھی بڑے بھائی کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا۔ گھر میں ایک ہنگامہ سا برپا رہتا۔ کھیلنا، پڑھنا اور آپس میں شرارتیں کرنا، سب ساتھ ساتھ ہی تھا۔ نت نئی شرارت میں عیان عقیل کو بھی ساتھ شامل رکھتا مگر... ڈانٹ عقیل کو پڑ جاتی کیونکہ شرارت عیان کو سوجھتی مگر کام وہ عقیل سے لیتا تھا جیسے پنجرے میں بند چوہیا کی پونچھ میں دھاگا باندھ کر اسے پنجرہ کھول کر آزاد کر دیتا اور دھاگے کا سرا عقیل کو پکڑا دیتا اور چوہیا پھدکتی پھرتی پیچھے پیچھے عیان اور عقیل دونوں بھاگتے۔ محلے کے دوسرے بچے یہ تماشا

دیکھتے اور بھاگ دوڑ مچاتے۔ والدین سے ڈانٹ پڑتی مگر... پھر سے کھیل شروع ہو جاتا۔

کسی کے یہاں مہمان بن کر جاتے تو بلا تکلف وہاں بھی شروع ہو جاتے۔ غرض کہ دونوں کے رویے سے والدین بھی پریشان ہو جاتے تھے۔ ایک دن ان کے گھر میں کہیں سے ایک چوہا گھس آیا۔ عیان نے دیکھ لیا، بس... پھر کیا تھا اسے پکڑنے کے چکر میں وہ ہنگامہ مچا... کہ توبہ۔ عیان کی امی رضوانہ بیگم نے عیان کے دو چانٹے بھی رسید کر دیے مگر عیان... کہاں ہار ماننے والا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے چوہا پکڑنے والا پنجرہ نکالا اور اس میں سرسوں کے تیل میں چپڑی روٹی کا ٹکڑا لگا دیا اور پنجرے کو جہاں چوہا چھپ گیا تھا وہیں لگا دیا۔

''اب آئے گا مزا..... اب بچ کے کہاں جائے گا''

عیان نے جوش میں کہا۔

''ہاں بھیا... پچھلی دفعہ جو چوہا پکڑا تھا اس نے میری دو جرابیں اور دو کتابیں کتر دی تھیں'' عقیل نے بتایا۔

''کوئی بات نہیں..... آج پکڑا جائے گا کل صبح اس کی شامت آ جائے گی''

عیان نے دبے دبے پر جوش لہجے میں کہا۔

رات کو پنجرے میں کھٹکا سا ہوا۔ ''وہ مارا''..... یہ کہتا ہوا عیان پنجرے کے پاس دوڑ آیا۔ دیکھا ایک موٹا سا چوہا پھنس گیا تھا۔ عقیل بھی پیچھے پیچھے چلا آیا۔ چوہا ٹکر ٹکر ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ پنجرے سے نکلنے کے لیے بے تاب نظر آ رہا تھا۔ عقیل کو اس سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی مگر عیان کے ڈر سے چپ تھا۔ کچھ دیر کے بعد اہل خانہ سونے کے لیے بستروں میں چلے گئے مگر عقیل کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بے چین تھا۔ اس نے عیان کے بستر کی طرف دیکھا۔ وہ سو رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کے آگے، پچھلی دفعہ جو چوہا پکڑا تھا اس کا حشر یاد آ گیا۔ اس کی پونچھ میں دھاگہ تو باندھ کر اسے دوڑایا تھا سو الگ مگر آخر میں عیان نے دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر اس چوہے کو اینٹ کے ٹکڑے مار مار کر ختم ہی کر دیا تھا۔ یہ سوچ کر عقیل کو جھرجھری سی آ گئی۔ اس چوہے کا انجام بھی اس کو ویسا ہی نظر آ رہا تھا۔ عقیل کو چوہے کی وہ آنکھیں یاد آ گئیں جیسے وہ اس سے فریاد کر رہا ہو۔

وہ چپکے سے بستر سے نیچے اترا اور پنجرے کے پاس پہنچا۔ چوہا اب بھی جاگ رہا تھا اور پنجرے میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ عقیل نے پنجرہ اٹھایا اور گھر کا دروازہ کھول کر چوہے کے پاس چھوڑ دیا۔ چوہا تیزی سے نالی کے کنارے دوڑتا ہوا اگلے محلے کی طرف چلا گیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو عقیل...'' اچانک اس کی امی رضوانہ بیگم کی دروازے سے آواز آئی۔ عقیل ڈر گیا اور جلدی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔

''امی... وہ... چوہے کو بھگا دیا صبح بھیا اسے مار ڈالتے''

عقیل نے اپنی امی کو معصومیت سے بتایا۔

اوہ... رضوانہ بیگم جیسے ساری بات سمجھ گئی اور عقیل کو پیار سے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اسے خوشی ہو رہی تھی کہ اس کا بیٹا حساس ہے اور اس نے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

■

Mohd.Naseer
H.No 445 Moh:Chormaran
Malerkotla-148023 (Punjab)
Mob.: 09988236310

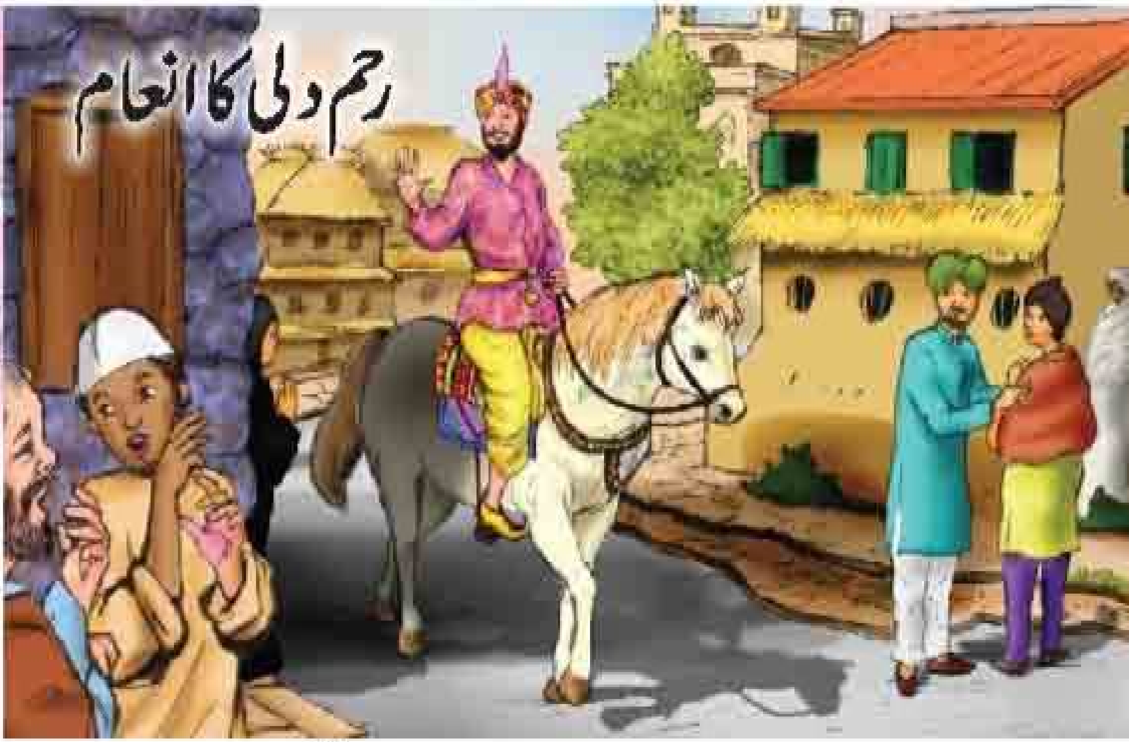

رحم دلی کا انعام

بچو! تم نے سلطان سبکتگین کا نام سنا ہوگا۔ وہ ایک رحمدل اور رعایا پرور بادشاہ تھا۔ وہ ہمیشہ عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں میں لگا رہتا۔ اسے اپنے عوام سے بڑی محبت تھی۔ وہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ اس کے عوام کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو۔ وہ ہمیشہ عدل و انصاف اور رحمدلی سے حکومت کرتا رہا۔ اس کی رحمدلی کے کئی واقعات تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں۔ اپنی اس خوبی کی وجہ سے وہ آج بھی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

سبکتگین کوئی خاندانی بادشاہ نہیں تھا۔ اس کا تعلق کسی شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ وہ اپنی ابتدائی زندگی میں ایک عام اور غریب انسان تھا۔ عام انسانوں کی طرح محنت مزدوری کرتا اور اپنے خاندان کی کفالت کرتا تھا۔ غربت اور افلاس نے اس کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ بڑی محنت اور جفاکشی کے بعد بھی وہ اتنا کما نہیں پاتا تھا کہ زندگی آرام

سید تنویر احمد زاھدی

سید تنویر احمد زاھدی کا تعلق کولکاتا مغربی بنگال سے ہے۔ انہوں نے اسلامک ھسٹری اینڈ کلچر میں ایم اے کیا ہے اور جادو پور یونیورسٹی سے بی لب اینڈ انفارمیشن سائنس کی ڈگری لی ہے۔ اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی سے انہوں نے ایم لب کیا ہے۔ لائبریرین کی حیثیت سے انہوں نے خدمات انجام دی ہیں۔ بچوں کے لیے کہانیاں اور ڈرامے لکھتے رہے ہیں۔ ان کی تخلیقات ماہنامہ "نور" رامپور، ماہنامہ "امنگ" نئی دہلی اور دیگر اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

سے گزرے۔

سبکتگین کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ اس دور میں سواری کے لئے غریب سے غریب آدمی بھی گھوڑا رکھتا تھا۔ وہ اکثر گھوڑے پر سوار ہو کر قریبی جنگل میں چلا جاتا۔ کوئی جانور مل جاتا تو اس کا شکار کر کے گوشت حاصل کرتا جو اس کے خاندان کی کفالت میں کام آتا تھا۔ اس کو شکار کا شوق تھا لیکن وہ بے مقصد جانوروں کی جان نہیں لیتا تھا۔

ایک دن سبکتگین اپنے گھوڑے پر سوار جنگل پہنچا تو دور دور تک خاموشی چھائی تھی۔ کوئی جانور اور پرندہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ تیز دھوپ اور گرمی سے بچنے کے لیے تمام جانور محفوظ جگہوں پر آرام کر رہے تھے۔ سبکتگین کی مایوس نظریں دور دور تک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جنگل گھنا نہیں تھا اس لیے وہ کافی دور تک دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر ایک ہرنی اور اس کے بچے پر پڑی۔ ہرنی گھاس چر رہی تھی اور اس کا بچہ اس کے قریب اچھل کود کر رہا تھا۔ ہرنی کبھی کبھی گھاس چرنا چھوڑ کے بچے کو پیار سے چاٹنے لگتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ گردن اٹھا کر ارد گرد کا جائزہ بھی لے لیتی تھی اور مطمئن ہو کر کہ آس پاس کوئی خطرہ نہیں ہے وہ پھر گھاس چرنے میں مشغول ہو جاتی تھی۔ گھاس چرتے ہوئے بھی اس کے دونوں کان مختلف سمتوں میں گھوم کر خطرے کا پتہ لگانے میں لگے تھے۔ سبکتگین ایک گھنے درخت کے پیچھے چھپی ہرنی اور اس کے بچے پر نظر جمائے کھڑا تھا۔ وہ ہرن کا شکار کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کے گھر والوں کو ہرن کا تازہ گوشت کھانے کو ملے۔ کئی دنوں سے انہیں گوشت نصیب نہیں ہوا تھا۔ سبکتگین درخت کے پیچھے سے نکلا اور ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ گھوڑے کے قدموں کی آواز اور سبکتگین کو اپنے پیچھے آتا دیکھ کر ہرن نے چوکڑی بھری اور جلد ہی وہ سبکتگین کی پہنچ سے بہت دور چلی گئی۔ سبکتگین نے کمان میں تیر جوڑ رکھا تھا لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے تیر مارنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سبکتگین نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ وہ ہرن کے پیچھے بے مقصد بھاگ دوڑ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسی وقت اس کی نظر ہرنی کے بچے پر پڑی جو اونچی گھاس میں چھپا اس کی طرف خوف بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ہرنی کا بچہ چھوٹا اور کمزور تھا۔ وہ ماں کے ساتھ فرار نہیں ہو سکا تھا اور اپنی جان بچانے کے لیے گھاس میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہرنی کے بچے کو دیکھ کر سبکتگین کے ہونٹ مسکرا اٹھے۔ ہرنی نہ سہی تو اس کا بچہ تو اس کے قبضے میں ہے۔ اسے بازار میں فروخت کر کے وہ اتنی رقم حاصل کر لے گا جو اس کے خاندان کی دو دن کی کفالت کے لیے کافی ہو گی۔ وہ گھوڑے سے اترا اور ہرنی کے بچے کو پکڑنے کے لیے دوڑا۔ بچے نے اسے دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن تھوڑی سی جدو جہد کے بعد سبکتگین کی مضبوط گرفت میں آ گیا۔ ہرنی کے بچے کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں اور وہ ممیانے لگا۔ سبکتگین نے دیکھا بچے کی خوفزدہ آوازیں سن کر ہرنی نے بھاگنا بند کر دیا ہے اور خاموشی سے ایک جگہ کھڑی ہو گئی ہے۔ بچے کی محبت میں وہ دو چار قدم آگے بڑھتی لیکن پھر جان کا خوف اس کے قدم روک دیتا۔ وہ ایک ٹک اپنے بچے کی طرف دیکھ رہی تھی جو سبکتگین کے ہاتھوں میں اپنی آزادی کے لیے لاحاصل جدو جہد کر رہا تھا۔ سبکتگین اپنے گھوڑے پر بیٹھ گیا اور ہرنی کے بچے کو اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس کے گھوڑے نے جنگل سے باہر کا رخ کیا۔ گھوڑا دلکی چال چل رہا تھا۔ سبکتگین کو کوئی جلدی نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک نظر پیچھے کی طرف ڈالی تو حیران رہ گیا۔ ہرنی اس سے زیادہ دور نہیں تھی۔ بچے کی محبت میں وہ گھوڑے کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ سبکتگین نے چاہا کہ گھوڑے کو موڑ کر اس کے پیچھے دوڑے لیکن اس سے قبل ہرنی

چوکڑیاں بھر کر اس سے کافی دور بھاگ گئی۔ سبکتگین جب بھی پیچھے دیکھتا تو وہ ہرنی کو قریب پاتا۔ اس کی اداس آنکھیں سبکتگین سے اپنے بچے کی آزادی کی التجا کر رہی تھیں۔ ممتا کی محبت دیکھ کر سبکتگین کانپ گیا۔ اس نے گھوڑا روکا اور نیچے اتر کر ہرنی کے بچے کو زمین پر رکھ دیا۔ بچہ اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی لڑکھڑاتے اور گرتے پڑتے ماں کی طرف بھاگا۔ ماں بھی کئی قدم دوڑ کے اس کے قریب آ گئی اور فرط مسرت سے اسے چاٹنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ پھر وہ اپنے بچے کے ساتھ ہولے ہولے قدم اٹھاتی ہوئی جھاڑیوں کی طرف بڑھ گئی لیکن جاتے ہوئے بھی وہ مڑ مڑ کر سبکتگین کو دیکھ رہی تھی جیسے وہ اس کا شکریہ ادا کر رہی ہو کہ اس نے اس کے بچے پر رحم کھا کر اسے آزاد کر دیا ہے۔

سبکتگین اس دن خالی ہاتھ گھر پہنچا لیکن اس کا دل مسرت سے لبریز تھا۔ کچھ کھائے پیے بغیر ہی وہ بستر پر دراز ہو گیا اور جلد ہی پر سکون نیند اس کی آنکھوں میں اتر آئی اور وہ ایک عجیب دنیا میں پہنچ گیا۔ اس نے ایک خوبصورت مجلس دیکھی جس میں کئی افراد ادب و احترام سے سر جھکائے بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے ایک حسین اور پروقار شخصیت موجود ہے جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہے اور ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔ جب اس پروقار شخص نے اپنے یاقوتی لب وا کیے اور ان کی دلکش آواز اس کے کانوں میں آئی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ پیغمبر اسلام رسول اکرمؐ کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہے۔ اس پروقار شخص نے کہا کہ سبکتگین تم نے ایک بے زبان ہرنی پر رحم کھایا۔ اس سے اللہ اور اس کا رسول بہت خوش ہیں اور تمہیں بادشاہ بننے کی خوشخبری سناتے ہیں۔ بادشاہ بن کر اسی طرح رحمدلی اور محبت سے حکومت کرنا۔ اس کے ساتھ ہی سبکتگین کی آنکھیں کھل گئیں۔ پورے کمرے میں بھینی بھینی خوشبو موجود تھی اور آنکھوں میں ایک عجیب ٹھنڈک تھی۔ وہ حسین صورت اس کی آنکھوں میں مستقل طور پر بس گئی۔ چند مہینوں بعد ہی ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ وہ تخت و تاج کا مالک بن گیا۔ اس کا خواب سچا ثابت ہوا۔ اس نے ساری زندگی عدل و انصاف، محبت اور رحمدلی سے حکومت کی اور تاریخ میں نام کر گیا۔

■

Syed Tanveer Ahmaed Zahedi
40/1, Jannagar Road,
Kolkata - 700017
Mobile : 9038819780
Email.: tanveerzahedi@gmail.com

بہادر کی عقلمندی

ثنا اسد

15 سالہ بہادر خاں کا ہائی اسکول کا امتحان تین دن بعد شروع ہونا تھا لہٰذا وہ اپنے والدین کے ساتھ پٹنہ اپنی چچیری بہن کی شادی میں نہیں گئے تھے اور امتحان کی تیاری میں رات دن لگے ہوئے تھے۔ وہ اپنے فلیٹ میں تنہا تھے اور رات کو 12 بجے تک پڑھتے رہتے تھے۔ کل رات وہ جب پڑھنے کے بعد سو گئے تو انھیں برابر والے کمرے میں کھٹ پٹ کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے آہستہ سے اٹھ کر دیکھا تو دو شخص پاپا کے کمرے میں گھسے ہوئے تلاشی لے رہے تھے۔ بہادر کو یہ سمجھتے ہوئے دیر نہیں لگی کہ گھر میں چور گھسے ہوئے ہیں۔ جب دونوں چور کمرے میں تھے تو بہادر ننگے پاؤں اٹھ کر آہستہ سے اپنے کمرے کے باہر نکلے اور کھٹاک سے اپنے پاپا کے کمرہ کا دروازہ باہر سے بند کر کے اس کی کنڈی لگا دی۔ چوروں نے بہت دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن بہادر اپنے کمرے میں جا کر موبائل پر اپنے پڑوسیوں کو چوروں کے بارے میں اطلاع دینے لگے۔ کالونی کا چوکیدار بھی سیٹی بجاتا ہوا اس کے گھر کے پاس آ گیا۔ ایک پڑوسی پنڈت بے شکر نے پولیس کو بھی فون کر دیا۔ بہادر اپنے فلیٹ کا مین گیٹ بند کر کے اب اپنے فلیٹ سے باہر آ گئے تھے جہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ چور اندر سے بند دروازہ زور زور سے پیٹ رہے تھے اور دھمکیاں بھی دے رہے تھے۔ بہادر نے موبائل سے اپنے پاپا اور امی کو بھی چوروں کے بارے میں بتلا دیا تھا۔ انھوں نے جہاں بہادر کی عقلمندی کی تعریف کی وہیں انھیں یہ ہدایت بھی دی تھی کہ وہ پولیس کے آنے کے بعد ہی فلیٹ کے کمرے کا دروازہ کھول کر چوروں کو گرفتار کرائیں اور گرفتاری کا ویڈیو بھی بنا لیں۔

ایک پڑوسی راجو نے رائے دی "چوروں کو پولیس کے آنے سے پہلے ہی کمرے سے باہر نکال کر ان کی پٹائی کی جائے اور ہاتھ پیر توڑ دیے جائیں تا کہ وہ پھر کسی دوسرے کے گھر میں چوری نہیں کر سکیں۔"

لیکن منظور صدیقی نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہا "چوروں کو سزا ضرور ملنی چاہیے لیکن یہ سزا پولیس اور عدالت کے ذریعے ملے۔ ہمیں قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے۔ یوں بھی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے والا عام شہری خود مجرم بن جاتا ہے۔"

"آپ صحیح فرما رہے ہیں۔ ہمیں قانون اپنے ہاتھ میں لے کر چوروں کو سزا نہیں دینی چاہیے بلکہ پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے تا کہ وہ عدالت سے مجرموں کو سزا دلوا سکے۔"

بہادر کی اس بات کی وہاں موجود تمام لوگوں نے حمایت کی اور راجو نے 'سوری' کہہ کر اپنی تجویز واپس لے لی۔

اسی دوران پولیس کی گشتی گاڑی (موبائل وین) کی بتی دکھائی دی اور سائرن کی آواز سنائی دی۔ سب نے خوش ہو کر کہا "لو پولیس بھی آ گئی۔ اب چور گرفتار کر لیے جائیں گے۔"

پولیس وین بہادر کے فلیٹ کے قریب آ کر رک گئی اور

چار پولیس والے اس میں سے اتر کر آئے اور وہاں کھڑے ہوئے لوگوں، خاص طور پر بہادر سے سارے معاملے کی جانکاری لینے کے بعد وہ بہادر اور کالونی کے پانچ دیگر لوگوں کے ساتھ فلیٹ میں داخل ہوئے۔ چور دروازہ پیٹتے پیٹتے شاید تھک گئے تھے۔ اگر کمرے کی کھڑکی اور دروازے لکڑی کے ہوتے تو وہ انھیں کاٹ کر فرار ہو جاتے کیونکہ ان کے پاس آری تھی لیکن اسٹیل کے دروازہ اور کھڑکی کو وہ کاٹ نہیں پائے۔ پولیس نے دروازہ کھولا تو دیکھا دونوں چوروں نے اپنا منھ دھر ڈھانے (کپڑے) سے چھپا رکھا تھا تاکہ کوئی انھیں پہچان نہ سکے۔ ایک پولیس والے نے ان کے منھ سے کپڑا ہٹایا تو سب لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ چور کوئی اور نہیں بلکہ وہ کباڑی تھے جو دن میں اخبارات کی ردّی اور ٹوٹا پھوٹا پرانا سامان خرید کر کباڑ میں لے جاتے تھے۔

پولیس والوں نے جب ان سے پوچھا کہ وہ فلیٹ میں کیسے داخل ہوئے تو انھوں نے اپنی آری دکھاتے ہوئے کہا کہ وہ باہری زینے سے فلیٹ کی چھت پر پہنچے تھے لکڑی کے اسی دروازے کے تختے کو کاٹ کر ان سیڑھیوں کے ذریعے فلیٹ کے اندر داخل ہوئے تھے جو دروازے کے پیچھے سے فلیٹ میں جاتی ہیں اور یہ کہ وہ سیف والے کمرے میں چوری کی غرض سے داخل ہوئے تھے۔ ان کے پاس سے سیف کا تالا کھولنے کا اوزار بھی تھا۔ لیکن ہماری کھڑ پڑ سے بہادر میاں کی آنکھ کھل گئی اور نہایت ہوشیاری سے دبے قدموں چل کر انھوں نے ہمیں کمرے میں بند کرکے باہر سے کنڈی لگا دی۔

پولیس نے جب سختی سے دریافت کیا تو چوروں نے قبول کیا کہ انھوں نے اسی کالونی کے تین دیگر فلیٹوں میں بھی سردی کی لمبی راتوں میں اسی طرح چوری کی تھی۔ چھت کا دروازہ کاٹ کر ہی وہ فلیٹوں میں داخل ہوئے تھے۔ انھوں نے مانا کہ چوری کا 80 فیصد سامان وہ بیچ چکے ہیں اور 20 فیصد سامان ان کے گھروں میں موجود ہے۔ یہ سن کر کالونی کے وہ لوگ بہت خوش ہوئے جن کے فلیٹوں میں چوری کی واردات ہوئی تھی۔ پولیس وین کے ہیڈ نے تھانہ میں فون کرکے مزید پولیس والوں کو مدد کے لیے بلا لیا۔ جب تھانے سے پانچ اور سپاہی آگئے تو سب سے پہلے پولیس چوروں کو گرفتار کرکے ان کے گھر لے گئی اور چوری کا سامان برآمد کرکے انھیں پہلے حوالات میں بند کیا اور پھر دن نکلنے کے بعد عدالت میں پیش کر دیا۔ تھانہ کے انچارج اور علاقے کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس نے بہادر خاں کو تھانہ میں بلا کر ایک تقریب کے دوران ان کی بہادری اور عقلمندی کے لیے توصیفی سند اور پانچ ہزار روپے سے نوازا۔ بہادر کے فوٹو بھی اخبارات میں چھپے۔

چوروں نے دیگر فلیٹوں سے جو سامان اور زیورات چرا کر دکانداروں کو فروخت کیے تھے، وہ پولیس نے نہ صرف برآمد کر لیے بلکہ دکانداروں کو بھی چوری کا مال خریدنے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد کالونی میں چوری کی وارداتیں بند ہو گئیں۔ اس لیے کالونی کے ایسوسی ایشن کے صدر اور سکریٹری نے بھی 26 جنوری کی تقریب کے دوران جو کالونی کے بڑے پارک میں منعقد کی جاتی ہے، بہادر خاں کو شال پہنا کر ایک سند توصیف اور آٹھ ہزار روپے کا نقد انعام دیا۔ اسی دوران بہادر کے والدین اور بہن بھی پٹنہ سے واپس آگئے تھے۔ بہادر کے والدین، چچا جان، ماموں صاحب اور دادا جان نے انھیں گلے لگا کر تحفوں سے نوازا۔

■

Sana Asad
21/37-3EC Road
Dehra Dun-248001 (Uttra Khand)

انٹرویو

موضوعات کا عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا ضروری

ڈاکٹر حلیمہ فردوس

ڈاکٹر غضنفر اقبال کا تعلق کرناٹک کے شہر گلبرگہ سے ہے۔ تدریس سے وابستگی ہے اور ادبی دنیا میں ان کی پہچان ایک عمدہ نثر نگار اور انٹرویو نگار کی ہے۔ تقریباً 18 کتابوں کے مرتب اور مصنف ہیں۔ انھیں ساہتیہ اکادمی کا اعلیٰ ترین یوا پرسکار بھی مل چکا ہے اور مختلف اکادمیوں کے اعزازات بھی مل چکے ہیں۔ انھوں نے قاضی سلیم، عصمت جاوید اور ڈاکٹر وہاب عندلیب پر مونوگراف تحریر کیے ہیں اور برصغیر ہند و پاک کے 50 سے زائد فنکاروں سے انٹرویوز بھی لیے ہیں۔

غضنفر اقبال

بنگلور کرناٹک میں مقیم اُردو کی مشہور طنز و ظرافت نگار، اور بچوں کی ادیبہ ڈاکٹر حلیمہ فردوس کی ادبی خدمات قابلِ فخر ہیں۔ ان کی بچوں کے لیے تحریر کی گئی دو کتابیں 'الفاظ کی دنیا' اور 'بچوں کی دھنک رنگ دنیا' شائع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ محترمہ حلیمہ فردوس سے بچوں کے ادب پر ایک گفتگو کی گئی وہ نذرِ قارئین ہے۔ (غ الف)

غضنفر اقبال: آپ کے علمی و ادبی گھرانے کی قابلِ ذکر باتیں کیا ہیں؟

حلیمہ فردوس: میرا تعلق ایک علمی و ادبی گھرانے سے ہے۔ والدِ محترم سائنس گریجویٹ ہونے کے باوجود شستہ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ میرے چاچا حمید الماس کا شمار برصغیر کے شعرا میں ہوتا ہے۔ اور بھائی پروفیسر خالد سعید کی نثری، شعری و تعلیمی خدمات اہمیت کی حامل ہیں۔ بچپن میں گھر پر کھلونا، چندا ماما، بانو، شاہراہ، ادبِ لطیف جیسے رسائل آیا کرتے تھے۔ اسی ماحول میں میرے مطالعے کا شوق پروان چڑھا۔

غ ا: آپ کی اُردو دنیا میں مثالی استاد، ممتاز مزاح نگار اور موثر نثر نگار کی حیثیت مسلم ہے۔ ادبِ اطفال کے لیے آپ نے کہانیاں، ڈرامے اور مضامین لکھے ہیں۔ اس طرف متوجہ

ہونے کی وجہ؟

ح ف: جناب! میں اپنے آپ کو مثالی استاد نہیں مانتی بلکہ ایک فرض شناس استاد سمجھتی ہوں۔ ہاں میرا ادبی سفر انشائیہ و مزاح نگاری سے شروع ہوا۔ اسے حسن اتفاق ہی کہیے کہ تقریباً تیس سال قبل ہماری ریاست کی پہلی تا چوتھی جماعت کی درسی کتب کی تدوین کے تجربوں کے بعد میں نے ادبِ اطفال کی دنیا میں قدم رکھا۔ انگریزی زبان کی طرح اردو میں بچوں کی فکر کو مہمیز کرنے والے مواد کی کمی محسوس ہوئی۔ پس اسی خیال کے تحت مجھے لسانی کھیل اور بچوں کے لیے کہانیاں لکھنے کی تحریک ملی۔ میں نے بچوں کے لیے کہانیاں ہی نہیں معلوماتی مضامین، ڈرامے اور انشائیے بھی لکھے ہیں۔ میں دھیمی رفتار سے لکھتی ہوں۔

غ ا: کیا یہ درست ہے کہ بچوں کا ادب وہی تخلیق کرسکتا ہے جس کی شخصیت میں چھپا بچہ سامنے آنے کے لیے بے چین ہوتا ہے؟

ح ف: ہاں یہ بات بالکل سچ ہے۔ بچوں کا سا تجسس، شوخی اور شرارت اور معصومانہ فطرت ہی ایک تخلیق کار کو بچوں کا ادب تخلیق کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

غ ا: آپ بچوں کے ادب کے لیے کہانی کو اہم سمجھتی ہیں یا ڈرامے کو؟

ح ف: بچوں کے ادب میں کہانی کو فوقیت حاصل ہے۔ بچے کے آنکھیں کھولنے کے بعد ماں کی لوری اور ہوش سنبھالنے کے بعد کہانی اس کی سماعت کا حصہ بنتی ہے۔ اگلے مرحلے پر کیا، کیوں جیسے سوالوں سے اس کے تجسس کو قرار آتا ہے۔ ڈراما تو بعد کی منزل ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

غ ا: آپ نے بچوں کی کہانیاں لکھتے وقت کن کن باتوں کا خیال ملحوظ رکھا ہے؟

ح ف: میری کہانیاں دورِ موجود کی کہانیاں ہیں۔ ان میں راجا، رانی، بھوت پریت کا سایہ نظر نہیں آتا۔ البتہ مجھے تاریخی واقعات اور کرداروں سے دلچسپی ہے۔ انھیں پیش کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ میری کہانیوں میں اکیسویں صدی کے بچے اپنی شرارتوں، غلطیوں اور اپنے مشاغل میں مصروف ملیں گے۔ میں ان کی نفسیات، ان کے خواب، ان کی خواہشوں کو ملحوظ رکھ کر کہانیوں کا تانا بانا بنتی ہوں۔ کبھی کردار تو کبھی واقعات کے ذریعے صالح اقدار اپنانے اور فطری کمزوریوں پر قابو پانے کی تلقین کرتی ہوں۔

غ ا: بچوں کی کہانیوں کے تناظر میں آپ بچوں کے کن کن کہانی کاروں کو پسند کرتی ہیں؟

ح ف: بچوں کی کہانی کاروں کی فہرست سازی آسان نہیں ہے۔ بے شمار نام ہیں۔ ابتدائی دور سے تاحال چند نام نوکِ قلم پر ہیں۔ ان میں شفیع الدین نیر، اسماعیل میرٹھی، صالحہ عابد حسین، کرشن چندر، واجدہ تبسم، شفیقہ فرحت، خالد عرفان، سلام بن رزاق، مظفر حنفی، بانو سرتاج، وکیل نجیب، محمد اسد اللہ، متین اچل پوری، صادقہ نواب وغیرہ۔

غ ا: کیا اُردو زبان کا دامن بچوں کے ادب سے خالی ہو رہا ہے؟

ح ف: یہ بڑا سوال ہے۔ میں بلا پس و پیش یہ اعتراف کرتی ہوں کہ اُردو زبان کا دامن بچوں کے ادب سے نہیں بلکہ بچوں سے خالی ہوتا جارہا ہے۔ آئے دن نسلِ نو کے قارئین کا دائرہ سمٹتا جارہا ہے۔ جب کہ بچوں کے قلم کاروں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔ مگر بیشتر ادبا و شعرا ان نثری و شعری تخلیقات سے مطمئن نہیں ہیں۔

غ ا: بچوں کی کہانیوں کا سنجیدگی سے جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ اس کی وجوہات کیا ہیں؟

ح ف: اس خیال سے میں پوری طرح متفق نہیں ہوں۔ جو کچھ لکھا گیا ہم نے اس کا سنجیدگی سے مطالعہ نہیں کیا۔ ہماری

زبان میں بچوں کے ادب پر تحقیق اور تاریخی نوعیت کا کام ہوا ہے۔ مبشر فاطمہ خوشحال زیدی، بانو سرتاج، مناظر عاشق ہرگانوی نے نہایت عرق ریزی سے اس سرمایے کا جائزہ لیا ہے۔ ان کے علاوہ حقانی القاسمی، آفاق عالم صدیقی، سعید اختر اعظمی، اسرار الحق سبیلی، غضنفر اقبال جیسے کئی نام ہیں جن کے مضامین اور کتابیں تواتر کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں۔ ان میں کہانیوں کا حوالہ ضرور ہوتا ہے۔ پر تنقیدی نقطۂ نظر سے ان کا جائزہ کم کم ہی لیا گیا ہے کیونکہ کئی حضرات نے ریاستی سطح تک ادبِ اطفال کو محدود کر دیا ہے۔ اِدھر پچھلی دہائی سے ریسرچ اسکالرس سیمیناروں کے مقالوں میں ادبِ اطفال کی معروف شخصیات اور مخصوص موضوعات کی جگالی کرنے میں مصروف ہیں۔ کاش کسی نے اس پر دھیان دیا ہوتا۔

غ ا: آپ نے دورانِ تدریس کئی نصابی کتابیں تدوین و ترتیب کی ہیں۔ کیا واقعی ادبِ اطفال اور درسی کتب میں گہرا رشتہ ہے؟

ج ف: میرے خیال میں ادبِ اطفال اور درسی کتب میں ناخن و گوشت کا رشتہ ہے۔ ادبِ اطفال کی تخلیقات کے بغیر درسی کتب کی تدوین ناممکن ہے۔ قومی اور ریاستی سطح کی نصابی کمیٹی کے ممبران تعلیمی پالیسی کے تقاضوں کے مدِ نظر ایک جماعتی اسباق تیار کرتے ہیں۔ بقیہ نثری و شعری مشمولات ادبِ اطفال ہی سے منتخب کی جاتی ہیں۔ ان تخلیقات کی شمولیت کا مقصد بچوں کی شخصیت سازی کے علاوہ ہمارے ادبی سرمایے سے متعارف کرانا ہوتا ہے۔

غ ا: آج کے کتاب فراموش دور میں بچوں کی کہانیوں میں کن کن موضوعات کو پیش کرنا از حد ضروری ہے؟

ج ف: آج بچے، بڑے سبھی کتاب فراموش دور میں جی رہے ہیں۔ ایسے ماحول میں بچوں کے لیے لکھنا آزمائش سے کم نہیں ہے۔ میرے خیال میں موضوعات کا عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ آج ادبِ اطفال کے مصنفین دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اصلاحی و تعمیری پسند گروہ جانی پہچانی شہزادوں، پریوں کے قصوں کو نئے قالب میں ڈھالنے کا حامی ہے۔ ایک اور جماعت سماجی، سائنسی اور ماحولیاتی موضوعات کو فوقیت دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نئے موضوعات سے بچوں پر کائنات کی حقیقتیں واضح ہوتی ہیں۔ جبکہ اخلاقی و تعمیری کہانیوں سے اُس کی شخصیت اور حیات سنورتی ہے۔ بہر کیف بچوں کو کنویں کا مینڈک نہ بنائیں بہتر ہے کہ کہانی گوئی، کی محفلوں میں انھیں مختلف موضوعات پر لکھی گئی کہانیاں سننے اور سنانے کی ترغیب دیں۔ اس عملی اقدام سے وہ کتاب دوستی پر خود آمادہ ہوں گے۔

غ ا: بچوں کے لیے اچھی کہانیوں کی آپ کے نزدیک کیا خوبیاں ہیں؟

ج ف: اچھی کہانیوں کے لیے موضوع کا بچوں کے مزاج اور شوق سے مطابقت رکھنا، تحیر و تجسس کو برقرار رکھنا، سہل اندازِ بیان اختیار کرنا ضروری ہے۔

غ ا: بچوں کے لیے آپ کی کتاب 'الفاظ کی دنیا' لکھنے کا خیال کیسے آیا؟

ج ف: اس کی بھی ایک کہانی ہے۔ درسی کتب کی تیاری کے دوران انگریزی زبان میں بچوں کی تصویری لغت میرے ہاتھ آئی۔ تصاویر سے مزین آسان جملوں کے ساتھ معنوں کو ذہن نشین کرانے کا انداز مجھے بہت بھایا۔ میں نے اسی طرز پر کام کرنا شروع کیا مگر ان خطوط پر اس لغت کا نصف حصہ مکمل کرنے سے پہلے ہی میری ہمت جواب دے گئی۔ اپنی محنت کو ضائع کرنے کے بجائے ترمیم و اضافے کے ساتھ اسی مواد کو لسانی کھیلوں کا روپ دیا۔ جس کے نتیجے میں الفاظ سازی، ہم آواز حروف کی شناخت، صرف و نحو، علم بیان، کہاوتیں، ضرب الامثال، قافیہ شناسی سے متعلق 87 لسانی کھیلوں پر مشتمل

کتاب 'الفاظ کی دنیا' کی اشاعت عمل میں آئی، جس کی کافی پذیرائی ہوئی۔

غ ا: کیا آپ اپنی علمی و ادبی زندگی سے مطمئن ہیں؟

ح ف: صد فی صد مطمئن تو نہیں۔ بچوں کی کہانیوں کے علاوہ جو بھی ادبی کام بکھرا ہوا ہے۔ اُسے کتابی صورت میں محفوظ کرنا ہے۔ یہی تو میرا سرمایہ ہے۔ اللہ کے فضل سے میرا ادبی سفر جاری ہے۔

غ ا: ڈیجیٹل میڈیا کے عہد میں بچوں کی کہانیوں کا معیار کیسا ہونا چاہیے؟

ح ف: اس قسم کی صورت حال میں معیاری کہانیوں میں مقصدِ حیات، سماجی رشتوں کی اہمیت، مشکلوں اور مصیبتوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت اور سائنسی حقائق سے آگہی کو اختصار سے بیان کرنا ہی معیاری کہانی کا وصف ہے۔

غ ا: بچوں کے ادب کے سلسلے میں مستقبل میں آپ کے کیا منصوبے ہیں؟

ح ف: ان شاء اللہ اسلے کی لسانی کھیلوں پر مشتمل کتاب اور کہانیوں کے دوسرے مجموعے کی اشاعت کا ارادہ ہے۔

غ ا: عہدِ موجود کے بچوں کے لیے آپ کا کیا پیغام ہے؟

ح ف: آج کے میڈیائی اور تیز رفتار بدلتے ہوئے حالات میں بچوں کے لیے کیا پیغام دوں؟ بس ان کے حق میں صالح اور تندرست رہنے کی دعا کرتی ہوں۔

■

Dr. Ghazanfar Iqbal
"SAIBAN" Zubair Colony
Hagarga Cross, Ring Road
GULBARGA - 585104 (Karnataka)
Cell:09945015964
Dr. Haleema Firdous
414-A-1, Ganga Block,
National Games Housing Complex,
Koramangala
Bangalore - 560047 (Karnataka)
Cell.: 9448787013

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/ منی آرڈر.. تاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ /-100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھیجیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email : magazines@ncpul.in، فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159

دستخط

بچوں کے لیے لکھی جانے والی کہانیوں کا مقصد ہوتا ہے ان کہانیوں کے ذریعے بچوں کی دلچسپی اور تفریح کا سامان مہیا کرنا۔ ان کی ذہنی تفریح کے ساتھ ساتھ ان کو کوئی سبق، درس دینا۔ ساتھ ہی ساتھ کہانی کے ذریعے ان کی معلومات میں اضافہ کرنا۔ ان تمام لوازمات کا احاطہ سائنس فکشن بہت اچھی طرح کرتا ہے۔

سائنس فکشن کے ذریعے نہ صرف بچوں کی دلچسپی اور تفریح کا سامان آسانی سے مہیا کیا جا سکتا ہے بلکہ کہانیوں کے ذریعے ان کی معلومات میں اضافہ کرنے کا مقصد بھی حل ہو جاتا ہے۔ یوں تو ماضی میں اردو زبان میں سائنس فکشن کی کہانیاں لکھنے والے کئی قلمکار موجود تھے لیکن افسوس جب کہ سائنس کی تعلیم عام ہو رہی ہے اور سائنسی معلومات کو حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں رہ گیا ہے۔ تو سائنس فکشن پر بچوں کے لیے لکھنے والے قلم کاروں کی تعداد بہت کم ہے۔

اس کی کیا وجوہات ہیں۔ ہمیں اس بارے میں بحث نہیں کرنا ہے۔

سائنس فکشن پر جن قلمکاروں نے باقاعدگی سے لکھا ہے ان میں ایک نام ایم مبین کا بھی ہے۔ ایم مبین بنیادی طور پر فکشن نگار ہیں لیکن انھوں نے ادب اطفال پر بھی خاص توجہ دی اور سائنس فکشن ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔

یہ کتاب 'خلائی سفر اور دوسری کہانیاں' ان کی حال میں لکھی ہوئی 16 کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ جہاں تک میرا مطالعہ ہے میری نظر سے کم سے کم ہندوستان میں تو مکمل سائنس فکشن کی کہانیوں کی اس طرح کی کوئی کتاب تو نہیں گزری ہے۔ سائنس فکشن لکھنا آج کے دور میں کافی مشکل کام ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایم مبین نے اپنی بات میں سائنس فکشن لکھنے کی صورت حال بیان کر دی ہے۔

اگر آج ایک بچے سے بھی کہا جائے کہ چاند میں پریاں رہتی ہیں۔ تو وہ کہے گا۔ چاند پر تو آکسیجن ہی نہیں ہے۔ وہاں پر پریاں کس طرح رہ سکتی ہیں؟ یا رہ سکتی ہیں؟ یہ سب موبائل کا کمال ہے۔ ایسے میں سائنس فکشن لکھنا سچ مچ بڑا مشکل کام ہو گیا ہے۔

اس کتاب میں شامل زیادہ تر کہانیاں مستقبل کی ایک تصویر قارئین کے سامنے پیش کرتی ہے۔ مستقبل کی دنیا کیسی ہوگی؟ اس زمانے میں لوگوں کا طرز معاشرت کس طرح کا ہوگا؟ کس طرح خلائی سفر کی آسانی ہو جائے گی۔ لوگ آسانی سے خلا میں سفر کر کے نہ صرف دوسرے سیاروں پر جا سکیں گے بلکہ دوسری کہکشاؤں کی سیر بھی کر سکیں گے۔ مستقبل میں دیگر سیاروں میں رہنے والی مخلوقات کا زمین سے رابطہ ہوگا وہ زمین پر آئیں گی اور زمین کے لوگ بھی ان کے سیاروں کی سیر کریں گے۔

اس کے علاوہ سائنس کی ترقی کی وجہ سے جو نئی نئی باتیں سامنے آئے گیں ان تمام باتوں کو ایم مبین نے اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔ زیادہ تر کہانیاں دو یا تین حصوں میں ہیں۔ یہ کہانیاں اپنی جگہ تو مکمل ہیں، لیکن دوسری کہانی میں اسی کہانی کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ جیسے کتاب کی پہلی کہانی 'مسدا گرہ' کا دوسرا حصہ کہانی 'خلائی سفر' ہے اور تیسرا حصہ 'ایک بار دیکھا دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے'۔ ان تینوں کہانیوں میں دوسرے سیارے سے آئے ہوئے ایلین کی کہانی بیان کی گئی ہے جو

زمین کے ایک بچے کو اپنے سیارے پر لے جاتا ہے۔ بچہ اس کے لیے خلائی سفر کرتا ہے اور پھر اس سیارے پر جا کر جو مناظر دیکھتا ہے ان کو وہ دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔

اسی طرح کہانیاں خلائی جہاز میں خرابی، بچے کو راحت ہے، بگی کر دیا میں ڈال بھی مسلسل کہانیاں ہیں۔ جو بظاہر تو اپنے آپ میں مکمل ہیں لیکن ایک ہی موضوع کو آگے بڑھاتی ہیں۔ انسانوں کو مستقبل میں خلائی سفر میں اس طرح کی خطرات اور پریشانیاں پیش آسکتی ہیں۔ ان مشکلات و پریشانیوں کو ان کہانیوں میں پیش کیا گیا ہے۔

دو کہانیاں 'ڈیجیٹل جنگل' اور 'شیرا کی دہشت' میں بھی ایک انوکھی تصور پیش کی گئی ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دنیا میں موجودہ ایجادات کسی نہ کسی سائنس فکشن نگار کے ذہن کی تخلیق ہے۔ اسی طرح 'ڈیجیٹل جنگل' کا مطالعہ کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایم مبین کے ذہن کی یہ پرواز کبھی نہ کبھی کسی زمانے میں اس چیز کو دنیا والے حقیقی روپ میں دیکھ سکیں گے۔

'جانی لیورز' اور 'ہوٹل 2021' بھی دو ایسی کہانیاں ہیں جس میں سائنس کی وجہ سے پیش آنے والے تجربات کو پیش کیا گیا ہے۔

اس کے بعد تین مسلسل کہانیاں مرغابی کے انڈے کے برابر کا موتی، کوہ ندا، جان باد گر میں پھر ایک بار کسی کائنات کے کسی انجان سیارے میں بسنے والی مخلوق کے ساتھ سارے مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔

کہانی 'گنگا میں سیلاب' اور 'ایٹمی مشین' بھی مسلسل کہانیاں ہیں جو ایک ہی موضوع پر ہیں۔ اس کتاب کی آخری کہانی 'کسی کا ہمانہ کر' صرف ایک مکمل کہانی ہے۔

اس کتاب کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کی بیشتر

خلائی سفر اور دوسری کہانیاں، مصنف: ایم مبین، صفحات: 160، قیمت: 100 روپے، سنہ اشاعت: 2021، ناشر: رحمانی پبلی کیشنز، اسلام پورہ، مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر، موبائل نمبر: 9890801886

کہانیوں کے عنوانات حاتم طائی کے سات سوال پر مبنی ہیں۔ ان سات سوالوں کو بڑی خوبصورتی سے ایم مبین نے آج کے تناظر میں پیش کیا ہے۔

اردو میں بچوں کے ادب میں سائنس فکشن کی جو کمی ہے کم سے کم ہندوستان کی حد تک تو یہ کتاب پورا کرنے کی نہ صرف کوشش کرے گی بلکہ بچوں میں ذوق مطالعہ بھی جگانے کی کوشش کرے گی۔

■

Saquib Iqbal Nacham
72/73 Sendu Apartment 2nd Floor
Patel Mohalla, 3rd Nizam Pura
Near Patel Masjid ,Bhiwandi-421302
Dist: Thane (Maharashtra)
Mobile : 9890844762

انسانی ترقی کی رفتار اور ماحولیات

صداقت اللہ سمیعی ندوی

ہم آج اپنے چاروں طرف نظر اٹھا کر جب ماحول کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہم پہلے کے مقابلے آج بہت سی چیزوں کی کمی کا احساس کرتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے درخت جن کے سائے میں مسافر و مزدور آرام کرتے تھے، وہ میدان جن میں ہم طرح طرح کے کھیل کھیلا کرتے تھے اور جانور جن کی گھاس سے اپنی غذا حاصل کیا کرتے تھے ان کا وجود اب نہیں رہا۔ مثلاً سڑک کے دونوں کناروں پر لگے سائیدار اور پھلدار درخت جن کو آج سے تقریباً سیکڑوں سال قبل بادشاہوں اور دور اندیشوں نے لگوانے کی داغ بیل ڈالی تھی، آج کے اس ترقی پذیر دور میں تیزی سے کٹتے جا رہے ہیں جن کا سیدھا اثر ہم پر اور ہماری کائنات کے نظام پر پڑتا ہے اور ان کی کمی کے باعث ہمارا محبوب اور انسان دوست مانسون ہم سے روٹھ جاتا ہے اور وہ کسی دوسرے محبوب و دوست کی تلاش میں ہماری ریاست اور شہر سے تیزی کے ساتھ گذرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ "تو نہیں تو اور سہی اور نہیں تو اور سہی" یا پھر کبھی اپنے دیدار کو بھی ترسا دیتا ہے کیونکہ ہم اپنے محبوب کو رجھانے والے سامان (درخت اور پودوں) کو تیزی سے کاٹ رہے ہیں، دوست کو متاثر کرتے والے باغات اور پارکوں کا بھی ہم تیزی سے صفایا کر رہے ہیں جس کا اثر سوکھے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ گذشتہ کئی برسوں میں بارش کم ہونے کے سبب دال اور چاول کی فصل پر برا اثر پڑا، دال کی قیمت تو آسمان چھونے لگی، لیکن کچھ ذمے دار حضرات کا کہنا ہے کہ اب انسان دال زیادہ کھانے لگا ہے اس وجہ سے دال کی مانگ پوری نہیں ہو پا رہی ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے اس کا سبب تو بارش کا نہ ہونا اور فصل کا کم ہونا ہے۔ جس کے ذمے دار صرف اور صرف ہم ہیں لیکن ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ ہم اس کا ذمے دار خدا کو ٹھہراتے ہیں کہ "اس سال خدا نے بارش اچھی نہیں کی" اور اگر ہم دینی مزاج اور مذہب پسند انسان ہیں تو ہم اور ہمارے جیسے کئی انسان خدا اور بھگوان سے بارش کے لیے دعا مانگنا شروع کر دیتے ہیں اور جب خدا کا کرم ہو جاتا ہے اور بارش ہو جاتی ہے تو ہم کچھ دن بعد پھر اپنی پرانی عادت پر لوٹ آتے ہیں اور درختوں کی کٹائی پھر سے شروع کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے مال، کامپلکس، ملٹی اسٹورس، میٹرو اور ریلوے ٹریک، روڈویز، شاہراہیں اور اپارٹمنٹس تیار کرتے ہیں جن کے لیے اربوں

درختوں کی بلی چڑھا دیتے ہیں اور اپنی ترقی کے لیے ان بے زبان حیاتات کی جانیں نچھاور کر دیتے ہیں۔ ان درختوں اور کچے مکانوں کے سائے میں پلنے والے جانوروں اور پرندوں کی جانوں کو بھی خطرے میں ڈال دیتے ہیں، ان کے سائے تلے رہنے والی اس گوریا (جس کی بقا کے لیے اکثر لوگ اپنے گھروں کی چھتوں پر تھوڑا دانہ پانی رکھنے کی اپیل کرتے ہیں) کی نسل کا وجود باقی تھا اس کے ساتھ ساتھ گھروں کی چھتوں، موکھوں اور کچے مکانوں میں رہنے والی گلہری کا وجود اور نام و نشان ہمارے محلوں اور شہروں سے مٹتا نظر آ رہا ہے۔ اب یہ دونوں جانور شہروں میں نظر نہیں آتے جو کہ پہلے بآسانی ہر محلے بلکہ ہر گھر میں نظر آ جاتے تھے۔ ان دونوں کا وجود ہماری ترقی کی نذر ہو گیا۔ کیونکہ ہمارے شہروں میں شعاعوں کا ارتعاش (Radiation) کافی حد تک بڑھ چکا ہے جس کا اثر پرندوں اور جانوروں کے ساتھ ساتھ انسانوں پر بھی پڑ رہا ہے۔ موبائل ٹاورس سے خارج ہونے والی شعاعوں کی وجہ سے ان پرندوں اور جانوروں کا خاتمہ تو ہمارے شہروں سے ہو ہی گیا ہے لیکن اب اس کی زد میں انسان بھی ہے کیونکہ ان ارتعاش سے انسانوں میں کئی قسم کی مہلک بیماریاں بہت تیزی سے پھیل رہی ہیں جو کہ پہلے کم تھیں لیکن آج یہ امراض وبائی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ ان برق رفتاری سے پھیلنے والی بیماریوں میں دماغی بیماریاں سرفہرست ہیں کیونکہ ان ارتعاش اور تابکاری کا سیدھا اثر نظام عصبی (Nervous System) پر مرتب ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان میں کئی دماغی بیماریاں عام ہیں۔

ہمارے سماج میں اگر صرف یہی ایک وبا ہوتی تو کسی حد تک غنیمت تھا اور اس سے بچاؤ کی تدبیریں بھی کر لی جاتیں لیکن ان اشعاع ریزی اور آلودگی کے بہت سے نقصانات ہیں، جن میں گلوبل وارمنگ ہے جس کے منفی اثرات سیدھے انسان پر پڑ رہے ہیں۔ ہمارے کرۂ زمین کی بڑھتی ہوئی حدت نے خطرناک شکل اختیار کر لی ہے اور اب اس کے خطرات بھی نمودار ہونے لگے ہیں جس کی ایک مثال قطبین میں موسم سرما میں جمنے والی برف میں آئی ریکارڈ کی کمی ہے۔ نیشنل اسنو اینڈ آئس ڈیٹا سینٹر کے مطابق اس برس منجمد ہونے والی برف زیادہ سے زیادہ ایک کروڑ 45 لاکھ مربع کلومیٹر درج کی گئی ہے۔ یہ ڈاٹا جمع کرنے کے آغاز سے اب تک کے ڈاٹا کے مطابق سب سے کم جمی برف ہے۔ اس کا صرف اور صرف سبب حدت ارض ہے جو کہ ارتعاش اور کلورو فلورو کاربن (Radiation, Cloro Floro and Corbon) کے اخراج کی وجہ سے بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

حال ہی میں جاری ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق شمال میں بحر منجمد کی پرتیں 65 فیصد پتلی ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے سطح سمندر تیزی سے بڑھ رہی ہے اور اس کے منفی اثرات صرف قطبین پر ہی نہیں بلکہ پورے عالم پر پڑ سکتے ہیں۔ جیسا کہ لندن اسکول آف اکنامکس کے بوب وارڈ 'Bob Ward' کا کہنا ہے کہ "برف کے بتدریج غائب ہونے سے سطح سمندر بتدریج بڑھ رہی ہے۔" بحر منجمد کے پگھلنے کا سبب بھی کرۂ زمین کی بڑھتی ہوئی حدت ہی ہے۔ اگر انسان اسی طرح ترقی کی طرف بڑھتا رہا، تو وہ دن دور نہیں ہے کہ یہ ترقی ہی اس کی جان کی دشمن اور اس کی تنزلی کا سبب بن جائے اور انسان ہر وقت پریشان و بدحواس رہے۔

■

Minnatullah Siddiqui Nadvi
Kashana-e-Hidayat
Near Police Chowki, Husainabad
Lucknow (UP)

خواجہ کوثر حیات

خوراک میں غذائیت کیسے آئے؟

چھٹی کا دن تھا۔ محلے کے ہم سبھی بچے جلدی جلدی اپنے گھروں سے نکل کر ارم آپی کے پاس جانے لگے۔ استانی ماں کی بیٹی جو سب کی ارم آپی تھیں، جو پیاری پیاری باتوں اور کہانیوں کے ذریعے بچوں کو کچھ نہ کچھ سکھاتی رہتیں۔ ارم آپی کے گھر سب سے آخر میں مسکان داخل ہوئیں:

ارم آپی: مسکان کہاں رہ گئی تھیں؟

مسکان: میں بھیا کے ساتھ چاؤمین لانے گئی تھی، یہ دیکھیں۔

(مسکان کے ہاتھوں میں چاؤمین اور کریکس کے پیکٹ دیکھ کر ہم سبھی خوش ہو گئے۔)

ارم آپی: چلو یہ پیکٹ میرے پاس رکھ دو بتایئے آپ کو کھانے میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟

سبھی بچے ایک ساتھ کہنے لگے: کرکرے، چپس، کریکس، کاجو بیف، چاؤمین، نوڈلس جیسی چیزیں ہماری پسندیدہ ہیں۔

ارم آپی: آج آپ جسے شوق سے کھا رہے ہیں وہ آپ کی صحت کے لیے نہایت نقصان دہ ہے اور سائنس داں تو ان بازاری اشیا کے بارے میں یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ صحت کے لیے زہر ہیں۔ ہمارے جسم کو صحت مند رکھنے کے لیے ان چیزوں سے دور رہنا چاہیے۔

ثانیہ: صحت مند جسم ہونا کیوں ضروری ہے؟

ارم آپی: اللہ رب العزت کی بیش بہا نعمتوں میں سے صحت مند جسم ایک عظیم نعمت ہے اور اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہمیں پڑھنے، لکھنے، کھیل کود اور کام کرنے کے لیے جس قوت کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمیں جسم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے جسم کا صحت مند ہونا ضروری ہے۔

غزل: ہم اپنے جسم کو صحت مند کس طرح رکھیں؟

ارم آپی: 'خوراک' کے ذریعے۔

سبھی بچے ایک ساتھ بول پڑے۔ خوراک؟ کون سی خوراک آپی؟

ارم آپی: ایسی خوراک جس میں غذائیت ہو۔ ہمارے جسم کو صحت مند رکھنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے لیکن خوراک ایسی ہو جس میں غذائیت ہو تب ہی ہمارے جسم کو طاقت ملے گی۔

صدف: آپی خوراک کیسی ہونی چاہیے؟

ارم آپی: خوراک ایسی ہونی چاہیے جو غذائیت سے بھرپور ہو۔ ساتھ ہی جلد ہضم ہونے والی، متوازن اور سادہ ہو جس کی وجہ سے جسم میں قوت اور توانائی پیدا ہو اور یہ دونوں چیزیں حاصل ہوتی ہیں روزمرہ کی غذا سے۔

مسکان: آپی ہم جو دن بھر میں ناشتہ، دوپہر اور رات کا کھانا کھاتے ہیں اسے روزمرہ کی غذا کہتے ہیں۔

ارم آپی: مسکان نے صحیح کہا۔ ہمارے جسم پر روزمرہ استعمال ہونے والی غذا کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ روزمرہ کی غذا میں یہ بات اہم ہے کہ آپ ناشتہ میں کیا کھاتے ہیں؟ دوپہر اور رات کے کھانے میں کون کون سی غذائیں استعمال کرتے ہیں۔

الشفین: آپی ہماری روزمرہ کی غذا میں کون کون سی چیزیں ضروری ہیں؟

ارم آپی: ہماری غذا میں لازمی 7 ضروری ہیں۔

غزل: ہماری غذا میں لازمی جز کیا ہوتا ہے؟

ارم آپی: ہماری غذا کا لازمی جز ہے روٹی اور چاول۔ روٹی تیار ہوتی ہے آٹے سے۔ کبھی آپ نے سوچا روٹی کون کون سے اناج سے تیار ہوتی ہے؟

مسکان: میں بتاؤں آپی۔ میں تو گیہوں کی روٹی کھاتی ہوں مگر دادا جان اور دادی جان جوار کی روٹی کھاتے ہیں۔

ارم آپی: صحیح کہا بزرگ جوار اور باجرہ کے آٹے سے بنی روٹی شوق سے کھاتے ہیں۔ اللہ نے اناج میں قوت اور صحت بخش اجزا شامل کیے ہیں جو ہمارے لیے ضروری ہیں۔

غزل: آپی امی جان صبح صبح ہمارے ہاتھ میں دودھ سے بھرا گلاس تھما دیتی ہیں؟ بھلا روز ہمیں دودھ کیوں پینا پڑتا ہے؟

ارم آپی: اس لیے کہ دودھ میں کیلشیم ہوتا ہے۔ جس طرح غذا سے ہمارا جسم مضبوط بنتا ہے اسی طرح انسانی ہڈیوں کو مضبوط بنانے کے لیے کیلشیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے دودھ اور اس سے بنی اشیا جیسے دہی، مکھن، گھی کا ہم استعمال کرتے ہیں۔

اچانک استانی ماں کی آواز آئی: ارم! کھانا پکانے کا تیل کہاں رکھا ہے۔

ثانیہ: آپی کھانے کے تیل میں کون کون سی چیزیں پکائی جاتی ہیں؟

ارم آپی: کھانے کے تیل میں سبزیوں اور دالوں کو پکا کر کھایا جاتا ہے۔

ثانیہ: کھانے کا تیل کن کن چیزوں سے ملتا ہے؟

ارم آپی: کھانے کا تیل کئی چیزوں سے حاصل ہوتا ہے جیسے سورج مکھی کا پھول، مونگ پھلی، سویابین، سرسوں کے تیل سے بھی کھانا بنایا جاتا ہے۔

غزل: غذا الگ الگ مزہ دیتی ہیں؟ کیسے؟

ارم آپی: ہم جب کھانا کھاتے ہیں اس میں کچھ چیزیں میٹھی لگتی ہیں کچھ کھٹی اور کچھ تیز۔ وہ اس لیے کہ ہر چیز کا مزہ الگ ہوتا ہے۔ جیسے لیموں کا ذائقہ کھٹا ہوتا ہے۔

صدف: گڑ میٹھا اور مرچ تیز ترش ہوتی ہے۔

افشین: اور کریلا تو کڑوا ہوتا ہے۔

ارم آپی: بچے کھٹی میٹھی چیزوں کو بہت پسند کرتے ہیں اور ان ہی کھٹی میٹھی چیزوں سے مل کر ہماری خوراک بنتی ہے۔

مسکان: گھر میں جب ترکاری آتی ہے تو کچھ کچھ چیزیں ہم بغیر پکائے کھا لیتے ہیں بھلا ایسا کیوں؟

ارم آپی: اس لیے کہ کچھ چیزوں کو کچا ہی کھایا جاتا ہے جن میں املی، کھیرا، ککڑی اور کیری ہے۔ ہم ان چیزوں کو نمک اور مرچ لگا کر مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ ان کچی چیزوں کو سلاد کہتے ہیں۔

ثانیہ: سلاد کا کیا فائدہ ہے؟

ارم آپی: سلاد صحت کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ سلاد سے ہمیں پروٹین، وٹامنز اور منرلز ملتے ہیں۔ جو اچھی صحت کے لیے بہت ضروری ہے اور سلاد ایک ایسی ہلکی پھلکی غذا ہے جو جسم کو توانائی اور غذائیت فراہم کرتی ہے۔

غزل: سلاد کون کون سی غذائی چیزوں سے بنایا جاتا ہے؟

ارم آپی: سلاد پتہ گوبھی، پیاز، ٹماٹر، گاجر، مولی اور شلجم سے سلاد تیار کیا جاتا ہے۔

سبھی بچے یک زبان ہو کر کہتے ہیں: ارم آپی ہم سمجھ گئے بازاری اشیا ہماری صحت کے لیے نقصان دہ ہیں۔ آج سے ہم بازاری اشیا نہیں کھائیں گے۔ ہم گھر کی بنی ہوئی صحت مند غذا ہی کھائیں گے اور صحت مند رہیں گے۔

■

Khwaja Kauser Hayat
Flat No.:8, Safa Complex, Kala Darwaza
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)
Mob.: 8421934949

صحتِ املا

اردو زبان میں املا کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ لکھنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو لفظ لکھا جا رہا ہے اس کی صحیح صورت کیا ہے؟ آج کے دور میں املا میں بہت سی غلطیاں ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے دشواریاں بھی پیدا ہو رہی ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے املا کے مسائل پر خاص طور پر توجہ دی تھی۔ اصلاحِ املا کمیٹی کی تشکیل بھی اسی نقطۂ نظر سے کی گئی تھی جس نے بہت سی تجاویز بھی رکھیں۔ مولانا احسن مارہروی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی جیسی شخصیات نے املا کی صحت اور اصلاح کے تعلق سے اہم مضامین بھی تحریر کیے ہیں۔ ان کے علاوہ املا پر اردو میں کچھ اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں اصلاحِ تلفظ (مولانا ابوالخیر صدیقی)، املا نامہ (پروفیسر گوپی چند نارنگ)، اردو املا اور رسم الخط (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)، اردو املا اور اس کی اصلاح (ڈاکٹر محمد عمر)، اصلاحِ تلفظ و املا (طالب ہاشمی)، اردو میں تلفظ (ڈاکٹر ملاحت رامپوری) قابلِ ذکر ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے صحیح املا لکھنے میں طلبا کو رہنمائی مل سکتی ہے۔

'ذال' اور 'زے' کے لکھنے میں کبھی کبھی ایسی غلط نگاری ہوتی ہے کہ لفظ اور عبارت، دونوں کی معنویت پر حرف آ جاتا ہے۔ ایسے کئی لفظ ہیں جن میں 'ذال' لکھی جانا چاہیے، مگر نہ جاننے کے سبب، یا کم احتیاطی کی وجہ سے، ایسے لفظوں میں 'زے' لکھ دی جاتی ہے اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ ایسے کئی لفظ ہیں جو ایک معنی میں 'ذال' سے صحیح ہیں اور اگر ان میں 'زے' لکھی جائے تو دوسرے معنی پیدا ہو جائیں گے۔ اس طرح کی غلط نگاری سے لفظوں میں معنوی امتیاز برقرار نہیں رہتا اور اس کے نتیجے میں خلفشار رونما ہوتا ہے۔ اس لیے 'ذال' اور 'زے' کے لکھنے میں احتیاط کو خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ان حرفوں کے سبب سے، لفظوں میں جو اختلاف پیدا ہو جایا کرتا ہے اس پر بھی نظر رہنا چاہیے۔ جیسے: 'گزارش' کو اگر 'زے' سے لکھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے: پیش کرنا، ادائے مدعا اگر اس کو 'گذارش' (ذال سے) لکھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے: چھوڑنا، کس قدر فرق ہے! جن لفظوں میں اس قبیل کی غلط نگاری زیادہ راہ پاتی ہے، وہ یہ ہیں:

آذر، آذار: آذر، اس لفظ کے معنی ہیں: آگ، موسم خزاں کے ایک مہینے کا نام بھی ہے۔ 'آذر' سے اسم منسوب 'آذری' بنتا ہے، جو کبھی آذر بہ معنی آتش سے نسبت رکھتا ہے اور کبھی اس ماہِ خزاں سے۔

آذار: موسم بہار کے ایک مہینے کا نام ہے۔ مہر آذار اور ابر آذاری کی ترکیب کہیں کہیں استعمال کی گئی ہے۔ کبھی کبھی اس 'آذار' کا مخفف 'آذر' بھی آ جاتا ہے۔

ان دونوں لفظوں میں 'ذال' ہے۔ بعض مثالوں سے ان کے استعمال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تیری تلوار کی وہ آنچ کہ گھر چھوڑ دیویں پہ بغض آذر
(مومن)

ہے تنگ سینہ، دل اگر آتش کدہ نہ ہو
ہے عارِ دل، نفس اگر آذر فشاں نہیں
(غالب)

نالے سے میرے گرم و خشک، زہرہ و ماہ کا مزاج
گریے سے میرے سرد و تر، طبع بروجِ آذری
خندۂ برق تیغ میں، گرمیِ مہر تیر ماہ
گریۂ زخمِ تیر میں، جوشِ سحابِ آذری
اگر میں گریۂ مستانہ کا کروں مذکور
زمین سے گذرے، ہے ابرِ آذری ہو جل
آتشِ مہر حمل کو نہ بجھا دیوے کہیں
شعلۂ رشک سے جلتا ہے سحابِ آذار

تیری افواج کا میداں میں دمِ جنگ خروش
بلبلوں کا ہے آذار گلستاں میں ہجوم

(مومن)

'آذر پرست' کے معنی ہوں گے: آتش پرست۔ 'آذر آئین' اور 'آذر کیش' کے بھی یہی معنی ہوں گے۔ 'آذر پرستی' آتش پرستی کو کہیں گے۔ مولانا شبلی نے ایک شعر میں 'بتانِ آذری' کی ترکیب 'حسینانِ پارسی نژاد' کے لیے استعمال کی ہے۔

بیا ایں جا کہ ہر سو کارواں در کارواں بینی
بتانِ آذری را، دلبرانِ شام و ایراں را

مولانا نے ایک جگہ اسی مفہوم میں 'خوبانِ زردشتی' بھی نظم کیا ہے۔ 'زردشتی' اور 'آذری' میں وہی ایک نسبت آتش پرستی کارفرما ہے۔

'آذر' اصفہان ایک شہر کا نام ہے۔ مشہور ایرانی مصنف لطف علی بیگ کا تخلص 'آذر' تھا۔ (فرہنگ فارسی از ڈاکٹر محمد معین)۔ 'آذر برزین' ایک آتش کدے کا نام تھا۔ 'آذر گشسپ' ایک ایرانی نام ہے۔ 'آذرکدہ' آتش کدے کو کہیں گے۔ 'آذری' آذر (آگ) سے نسبت رکھنے والا ہوا اور 'بتانِ آذری' حسینانِ آتش پرست ہوئے۔

خیال رکھنے کی بات یہ ہے کہ ان سب معانی میں 'آذر' ذال سے لکھا جائے گا۔ 'آزر' زے سے، ایک دوسرا لفظ ہے، اس کا بیان آگے آئے گا۔ ان دونوں لفظوں کے املا میں، ان کے معنوی فرق کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

جاذب: اس کا مادہ جذب ہے۔ بلاٹنگ پیپر یا 'سیاہی چوس' کو بھی کہتے ہیں۔ جذب، مجذوب، انجذاب، جذبات؛ سب کی اصل جذب ہے۔

ابوذر: ایک مشہور صحابی کا نام ہے۔ اس میں 'ذر' عربی کا لفظ ہے۔ (منتخب اللغات)

ذیابیطس: ایک بیماری کا نام۔

اوپر جتنے لفظ آئے ہیں، ان سب میں ذال ہے۔

آزر: حضرت ابراہیم کے والد یا چچا کا نام۔ اس معنی میں یہ لفظ ز سے ہے۔ آزری، مصحفِ آزری، آزر کا خواب (ایک کتاب کا نام) بت خانۂ آزر؛ سب میں یہی لفظ ہے۔

گر آزرش زمانہ ہے تو کھڑ دے اسے خیال
اس بت کی بھد کو قطرۂ سیماب کی شبیہ

(انشا، کلام انشا، ص 193)

نقشِ پا کی صورتیں وہ دل فریب
تو کہے، بت خانۂ آزر کھلا

(غالب)

یہ لفظ اکثر استعمال میں آتا ہے۔ 'آذر' اور 'آزر' دو مختلف المعنی لفظ ہیں۔ ان کے املا میں اکثر غلطی ہو جایا کرتی ہے۔ ان دونوں کے معنوی فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک مثال سے اس معنوی فرق کا اچھی طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مولانا شبلی کا شعر ہے:

بیا ایں جا کہ ہر سو کارواں در کارواں بینی
بتانِ آذری را، دلبرانِ شام و ایراں را

'بت' کی رعایت سے یہاں بہ ظاہر 'آزری' ہونا چاہیے۔ (آزر بت تراش کی نسبت سے)، مگر یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ یہ شعر 'بمبئی' سے متعلق ہے اور مولانا نے وہاں کے 'خوبانِ زردشتی' کا اکثر ذکر کیا ہے؛ یہاں 'بتانِ آذری' مناسب معلوم ہوتا ہے، 'محبوبانِ پارسی' کے معنی میں۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو پھر لازماً اس کا املا یہاں بہ 'ذال' سے صحیح ہوگا۔ مگر مومن کا یہ شعر:

مو سے رواں بہ ہر طریق، سجدہ و فرق ہر فریق
سنگِ درِ اس کا اک صنم، رشکِ بتانِ آزری

اس شعر میں 'بتانِ آزری' کو آزر بت تراش سے نسبت ہے اور اس لیے یہاں 'آزری' زے سے لکھا جائے گا۔ اسی طرح غالب کے اس شعر میں بھی 'آزری' زے سے لکھا جائے گا:

دیدہ ور آں کہ دل نہ نہد بہ شمارِ دلبری
در دلِ سنگ بنگرد رقصِ بتانِ آزری

■

ماخذ: اردو املا: رشید حسن خاں، پانچویں اشاعت: 2019، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کر سکیں۔ (ادارہ)

گھر میں رہتا ہے ترے دم سے اجالا ہی کچھ اور
مہ و خورشید کی تنویر بدل جاتی ہے

—فانی بدایونی

گھر کی تعمیر تصور میں ہی ہو سکتی ہے
اپنے نقشے کے مطابق یہ زمیں کچھ کم ہے

—شہریار

گھر کے سارے پھول ہنگاموں کی رونق ہو گئے
خالی گلدانوں سے باتیں کر کے سو جائیں گے ہم

—زہرا نگاہ

گھر سے نکلے ہیں آنسوؤں کی طرح
واپسی کا کوئی سوال نہیں

—نہال سیوہاروی

گھر سے نکل کھڑے ہوئے تو پوچھنا ہی کیا
منزل کہاں سے پاس پڑے گی کہاں سے دور

—قمر جلالوی

گھر سے نکلے تھے تو گھر چھوڑ کے نکلے ہوتے
گھر کے آرام کی کیا راہ میں خواہش کرنا

—انجم عرفانی

گھر سے تو نثار اپنے چلا تھا میں اکیلا
منزل پہ مگر ماں کی دعا لے گئی مجھ کو

—نثار اکبر آبادی

گھر سے خوشبو کے تعاقب میں نکلنے والو
میری مانند کہیں تم بھی نہ بے گھر ہونا

—حسن اکبر کمال

گھر تو ایسا کہاں کا تھا لیکن
در بدر ہیں تو یاد آتا ہے

—اقبال فریدی

گھر کی تقسیم کے سوا اب تک
کوئی تقریب مرے گھر نہ ہوئی

—لیاقت علی عاصم

گھر جو پہنچا تو عجب ہنگام تھا
عید تھی یا کوئی جشن عام تھا

—ظہیر قدسی مالیگانوی

■

ماخذ: شعرستان (برائے بیت بازی)، مرتبہ: ڈاکٹر عائشہ حسن، سنہ اشاعت: 2019، دہلی: الفاظ پبلی کیشن، پچپاؤلی کالونی۔ 441001، ضلع: ناگپور (مہاراشٹر)، موبائل: 9028587844

شفا آیت، درجہ: ایل کے جی، فضل فلاور اسکول
کاکورگاچھی، دانک تلہ، کولکاتا، مغربی بنگال

ملیکہ رضوی، درجہ نہم، گڈ اسمرٹن اسکول، جسولہ، نئی دہلی

ثنایا اسرار بنت انصاری محمد آصف، درجہ دوم، مالیگاؤں

اریبہ فاطمہ بنت انصاری محمد آصف، درجہ ہفتم، مالیگاؤں

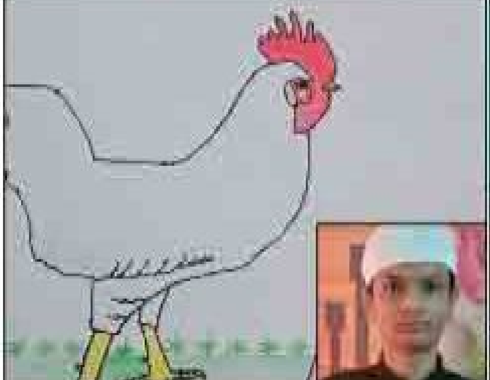

محمد مصعب بن مولانا محمد عادل ندوی، درجہ ہفتم
پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پھلمبی، پونہ، مہاراشٹر

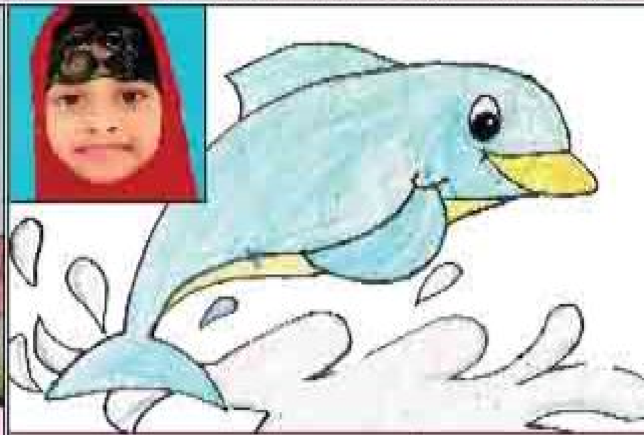

رفعت، درجہ دوم، سیرت پبلک اسکول، 1472/6، ویسٹ چاواگاڑ، کولکاتا، مغربی بنگال

بریرہ مشہود، F-178، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی 26

فانیہ فردوس شیخ ابراہیم، درجہ ہشتم، ضلع پریشد اردو اسکول نیم گاؤں، بلڈانہ مہاراشٹر

مدیحہ حمید، درجہ اول، سینٹ جانس اسکول، گریٹر نوئیڈا، یوپی

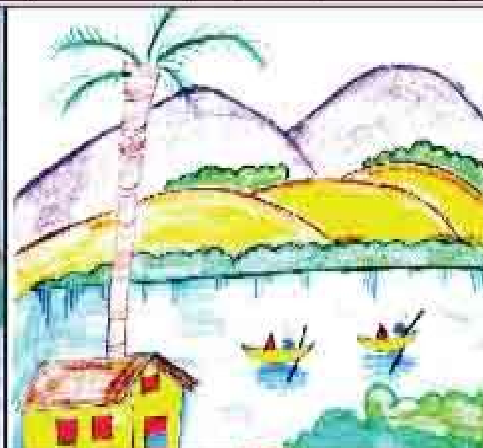

عمیمہ نازمحمد اکرم انصاری، درجہ ہشتم
اقبال روڈ، بارہ پتھر، دھولیہ، مہاراشٹر

تحمیہ ممتاز، سینٹ زیویرس انسٹی ٹیوشن کولکاتا، مغربی بنگال

عالیہ پروین عارف خان، درجہ ہشتم، ضلع پریشد اردو اسکول نیم گاؤں، بلڈانہ مہاراشٹر

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اور اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔ یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

*** جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔**

बच्चों की दुनिया मासिक, अप्रैल 2022, वर्ष 10, अंक 04
BACHON KI DUNIYA Monthly, April 2022 Vol. 10, Issue: 04
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/03/2022
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

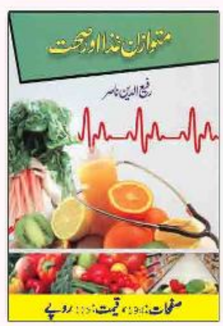

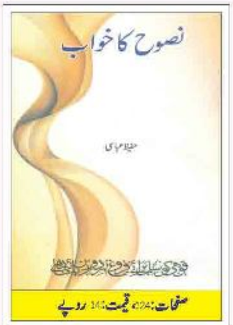

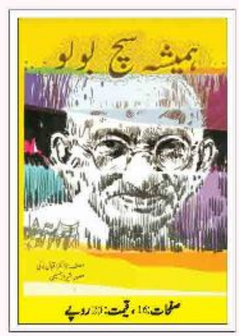

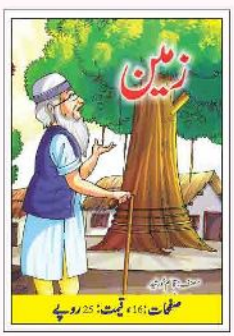

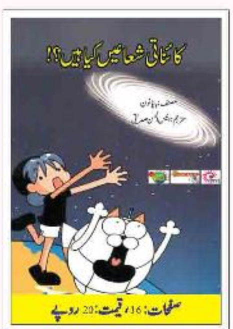

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6